مبادی سیاسیات، مؤلفہ جناب ہارون خان صاحب شروانی صدر شعبہ تاریخ وسیاسیات جامعہ عثمانیہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۶۰۸ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ﷲ، پتہ مکتبہ جامعہ ملیہ، دہلی،

مبادیاتِ سیاسیات مؤلف کی مشہور کتاب ہے، اس کا پہلا اڈیشن ۳۱ء میں چھپا تھا، ادھر چند برسون مین سیاست کی دنیا بہت کچھ بدل گئی تھی، اس لئے ۳۹ء مین لائق مؤلف نے اس مین ضروری حذف واضافے کرکے اس کو دوبارہ مرتب کیا، اس کے دو حصّے ہین، پہلے حصّہ مین مملکت کی تاریخ اس کے متعلق سیاسی نظریے اور فلسفیانہ مباحث ہین، دوسرے حصّہ مین مملکت کے نظام، اسکے اجزا، اسکی بین الاقوامی ہیئت کی تفصیل، اور مملکتون کے نظام سے اسکی توضیح و تشریح ہے، اس سلسلہ مین ہندوستان کے وفاق پر بھی تبصرہ ہے، آخر مین ریاست حیدرآباد کے جدید دستور کا خلاصہ ہے، اس موضوع پر دوسری زبانوں کی تصانیف کے مقابلہ میں تو اس کتاب کی حیثیت ضرور مبادی ہی کی ہے، لیکن اردو مین اسے نصابی کہ سکتے ہین، لائق مؤلف نے اس میں اختصار وجامعیت کے ساتھ سیاسیات کے جملہ مسائل ومباحث کو قلمبند کر دیا ہے، اس کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے، کہ اس مین جابجا اسلامی اصولِ سیاسیات پر بھی بحث کی گئی ہے، جس سے عموماً اس قسم کی کتابین خالی ہوتی ہین، مؤلف کا یہ اسوۂ حسنہ ان تمام فنون پر لکھنے والون کے لئے جن کے آثار اسلامی شریعت یا اسلامی تاریخ مین موجود ہین، لائق تقلید ہے، اس کتاب کو بھی لکھے ہوے دو سال ہوگئے، اور اس مدت مین دنیاے سیاست کا نقشہ ہی بدل گیا ہے، تاہم بہت سے بنیادی مسائل ہر زمانہ کے لئے یکسان ہین، اس لئے اس کتاب کا افادہ اپنی جگہ پر قائم ہے،

"م"
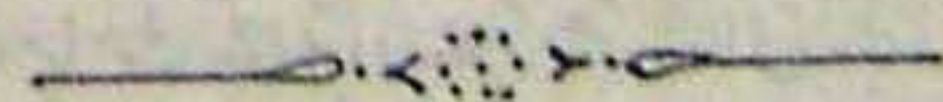
جلد ۴۸ ماہ رجب المرجب ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۴۱ء عدد ۲

مضامین

شذرات

یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ فرنگی محل کے ممتاز عالم مولنا عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی نے ۶ - جولائی ۱۹۴۱ء کو دفعۃً وفات پائی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، مرحوم ابھی ۲۴ - ۲۵ - ۲۶ - جون کو ہمارے ساتھ بھوپال میں عربی مدارس کی اصلاح کے کام میں شریک تھے، وہیں دردِ شکم میں مبتلا ہوئے جس کے باعث وہ کئی دن تک وہاں علیل رہے، سوءِ ہضم تسلسل بول اور ضعفِ قلب کے عوارض ان کو پہلے سے لاحق تھے، بھوپال میں مرض کی تخفیف کے بعد وہ لکھنؤ روانہ ہوئے اور میں بھی ان ہی کی وجہ سے ان ہی کے ساتھ لکھنؤ تک آیا، لکھنؤ اسٹیشن پر پہنچ کر مرحوم نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کی زحمتوں اور خدمتوں کا شکریہ اس لئے نہیں ادا کروں گا کہ میں آپ کو اپنے سے علحدہ نہیں سمجھتا، یہ کہہ کر شکر سلام کے بعد ہم دونوں الگ ہوگئے، یہ کون کہہ سکتا تھا کہ یہ سلامِ رخصت آخری سلام ہے،

مرحوم فرنگی محل کے خانوادہ میں تنہا جامعِ علوم وفنون ہستی باقی رہ گئے تھے، معقولات اور منقولات پر ان کو یکساں دسترس حاصل تھی، مسائل پر وہ مبصرانہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اردو میں تاریخ، حدیث و رجال پر کئی رسالے لکھے تھے، مدرسۂ نظامیہ کے صدر مدرس اور اچھے مدرس تھے سیاسیات سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، خلافت اور مسلم لیگ کے کاموں میں حصہ لیتے رہتے تھے، کل ۵۴ برس کی عمر پائی، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی عنایتوں سے سرفراز فرمائے۔

خدا خدا کرکے حیاتِ شبلی کی تالیف نوسو صفحوں میں جاکر تمام ہوئی، یہ نہ صرف مولنا شبلی کی زندگی کی شخصی تاریخ ہے، بلکہ اُن کے زمانہ کے چالیس سال کی قومی زندگی کی تاریخ ہے، کتاب مطبع کے سپرد کردی گئی ہے، اور اس وقت تک اس کے ڈیڑھ سو صفحوں کی کتابت ہو چکی ہے، کاغذ کی گرانی سے ڈر لگتا ہے کہ اس ضخامت کی کتاب جلد نہ چھپ سکے،

مقالاتِ شبلی کی آخری قسط خطباتِ شبلی کے نام سے چھپ کر پوری ہو گئی، اس حصہ میں مولنا کی وہ تقریریں ہیں جو انھوں نے علی گڈھ ایجوکیشنل کانفرنس اور ندوہ کے جلسوں اور عام مجمعوں میں کیں، افسوس ہے کہ ان کی یہ تقریریں بہت کم محفوظ رہیں، تاہم جو کچھ مل سکیں وہ ان اوراق میں جمع کردی گئیں،

دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن کے علمی کارناموں کا ذکر بار بار آیا ہے، دائرہ نے اس سال بہت سی نادر کتابیں شائع کی ہیں، جن میں سے رسائل ابن ہیثم اور رسائل طوسی علم مناظر اور ریاضیات میں، کتاب المعتبر ابو البرکات بغدادی فلسفہ میں، میزان الحکمۃ خازنی طبیعیات میں، تاریخ منتظم ابن جوزی تاریخ میں، الکفایہ فی علم الروایہ حاکم اصولِ حدیث میں بہت اہم کتابیں ہیں، اس سلسلہ میں ایک اور نہایت اہم کتاب کی چھپائی شروع ہوگئی ہے، یعنی امام بخاری کی تاریخ کبیر جو علم رجال کی مستند اور اولین کتاب ہے، دائرہ کو ان کتابوں کی اشاعت پر مبارکباد دی جاسکتی ہے،

ادارۂ ادبیاتِ اردو حیدرآباد دکن نے اردو کی ایک عظیم الشان خدمت اپنے ذمہ

لی ہے، یعنی ایک اردو انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب و اشاعت، حیدرآباد میں جدید و قدیم علوم و فنون کے اساتذہ اور ماہرین کی بہت بڑی جماعت موجود ہے، جن کی موجودگی میں اس کام کے انجام کی پوری توقع کی جاسکتی ہے، ادارۂ مذکور نے علوم و فنون کی تقسیم اور ان کے ذمہ دار اڈیٹروں کے نام کا انتخاب کرلیا ہے، اور حیدرآباد کے باہر علماء اور اہلِ علم سے حصولِ امداد کی کوشش بھی وہ کر رہا ہے، ضرورت ہے کہ اردو کے ہمدرد اور بہی خواہ اس کام میں اس کی ہمت بڑھائیں، ادارۂ مذکورہ رفعت منزل حیدرآباد دکن کے پتہ سے خط و کتابت کی جاسکتی ہے۔

پشاور میں عربی کا ایک مدرسہ رفیع الاسلام ہے، مدرسۂ مذکور کی ملکیت میں ایک نادر کتبخانہ ہے جس میں ۶ ہزار کتابیں ہیں جنمیں بہت سی قلمی کتابیں بھی ہیں، پشاور کے قیام میں اس کتاب خانہ کا ذکر میں نے سنا، لیکن دیکھنے کی نوبت نہیں آئی، معارف کے مئی نمبر ۳۹۲ میں تاریخ محمود شاہی کا ذکر ہے، جس کا نسخہ نہیں ملتا، مدرسۂ مذکور کے مہتمم صاحب مولوی فضل صمدانی صاحب نے مجھے مطلع کیا ہے کہ اس کتاب کا نسخہ ان کے کتبخانہ میں موجود ہے، اسی طرح جولائی اور اگست کے پرچہ میں مظہر کرہ کی جس شرح ظہور الاسرار کا ذکر ہے اس کا نسخہ بھی اس میں موجود ہے، کتاب کا نام ظہور الاسرار اور مصنف کا نام مطہر بن قوام بن رستم بن احمد بن محمود البلخی المعروف بکرئی ہے،

مقالات

ظہور الاسرار نامی اور مظہر کرہ

از

جناب مولوی امتیاز علی خانصاحب عرشی ناظم کتب خانہ رامپور

(۲)

بلخی کے نام کی تحقیق شرح کے عام نسخوں میں مصنف کا نام محمد بن قوام بن رستم بن احمد بن محمود بدر خزانۃ البلخی المعروف بکرئی ملتا ہے۔

صاحبِ کشف الظنون (ج ۵۔ ص ۴۶۶ طبع یورپ) نے صرف "بدر البلخی" لکھا ہے، اسپرنگر نے مذکورۂ بالا مکمل نام درج کیا ہے، مگر ایک تو "بدر خزانۃ" کو نہ سمجھکر اس کے محاذ میں علامت استفہام بڑھائی ہے، اور دوسرے ازراہِ سہو المعروف بکرئی کو غلط سمجھے ہیں، اور اس لئے شارح کا عرف بکرئی بتاتے ہیں، حالانکہ ایک ادنی عربی طالب علم بھی یہ جانتا ہے، کہ حرف الباء پریپوزیشن کا کام کر رہا ہے، جزو کلمہ نہیں، اصل میں اس کا عرف کرئی لکھنا چاہئے تھا،

ڈاکٹر ریو کے نسخہ میں "بدر حرانہ" تھا، اس کو انھوں نے بریکٹس میں صحیح کر دیا ہے، علاوہ ازیں شارح کا عرف ان کے خیال میں کرخی ہے، جو اغلباً ان کی قرات کی غلطی ہے، اگرچہ امکان یہ بھی ہے کہ خود کاتب نے لکھا ہو،

ڈاکٹر ایتھے کے نسخہ مین "المعروف بکرئی" مندرج ہے، اسلئے ان کو بھی وہی دھوکا ہوا، جو اسپرنگر نے کھایا تھا، کہ شارح کا عرف بکرئی ہے، لیکن یہ اپنے پیشرو ڈاکٹر ریو کا بھی احترام علمی ملحوظ رکھنا چاہتے ہین، اسلئے اپنے اور اسپرنگر کے نسخہ پر بھروسہ نہین کرتے، اور یہ بھی آگے چل کر لکھدیتے ہین، کہ یا جیسا کہ ریو کے نسخہ مین ہی، اس کا عرف کرخی تھا،

روسی مستشرق ڈاکٹر آئیونانف نے اسپرنگر اور ایتھے کا ساتھ دیکر اس کو بکرئی لکھا ہی،

فہرست کتاب خانہ آصفیہ، حیدر آباد (ج ۳ ص ۹۲۸) مین بھی مصنف کو "معروف بہ کرخی" تسلیم کیا گیا ہے،

کتاب خانہ ریاست رامپور کے نسخون مین سے جو نسخہ ۱۰۵۵ھ کا نوشتہ ہے، اس مین مصنف کا نام اس طرح لکھا گیا ہی :۔

محمد بن قوام الدین بن رستم بن احمد بن محمود بدر خزانۃ البلخی المعروف بکری الخ" (ورق ۱۔ الف)

نسخہ نمبری ۵۹ مین یہ نام قدرے اختلاف کے ساتھ اس طرح ملتا ہے، :

"مظہر بن قوام بن رستم (بن) احمد بن محمود البلخی المعروف بکری" (ورق ۲۔ الف)

عرف کی حقیقت

میری ناقص رائے یہ ہے کہ شرح مخزن اسرار کے مصنف کا عرف کڑی یا کڑئی ہے، نہ بکرئی اور نہ کرخی، اور یہ کڑہ کی طرف نسبت ہی جہان تک تاریخی ثبوت کا تعلق ہی اس سے آیندہ بحث ہو گی، یہان صرف لسانی حیثیت سے یہ دیکھنا ہے، کہ کیا بکرئی درست ہی یا کڑئی، ہمارے دونون نسخون مین اس لفظ کی کتابت ہے "بکرہی" اسلئے یہ بھکر کی طرف نسبت ہو سکتی ہی، اگر کاف کو مشدد پڑھا جائے، اور ہائے مخلوطہ کو بوجہ عربی ساقط کر دیا جائے لیکن دوسرے تمام نسخون مین بکرئی تحریر ہے، اسلئے یہ قیاس نادرست قرار پائے گا، مزید برآن بآ کے اصلی ہونے کی صورت مین لازم ہو گا، کہ ایک بائے جارہ اور ہو، اور وہ کسی نسخہ مین بھی نہین، لہٰذا اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ

لفظ مذکور یائے نسبت اور ایسے اسم سے مرکب ہوا ہے، جس مین ک، ڑ ضرور ہین،

جیسا کہ مین نے ابھی عرض کیا ہے، میری دانست مین یہ کڑہ کی طرف منسوب ہے، جو عام طور پر پرانی تاریخون مین کڑہ مانکپور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ الہ آباد کے قریب واقع ہی، اور مغلون کے عہد تک مشہور شہرون مین گنا جاتا تھا،

قاعدہ یہ ہے کہ ایسے اسمار کیساتھ ی نسبت لگانے کی صورت مین جو ۃ پر ختم ہوتے ہین، ۃ کو ساقط کر کے اوس کے بجائے وٰ لکھا جاتا ہے، مثلاً امروہہ کی نسبت امروہوی، سامانہ کی سامانوی، تتہ کی تتوی، بعض اوقات ۃ حذف کر دی جاتی ہے، مثلاً مکہ کی نسبت مکی، مدینہ کی مدنی، بنگالہ کی بنگالی، سکندرہ کی سکندری، لیکن پرانی کتابون مین یہ بھی دیکھا گیا ہے، کہ آخر کی ۃ کو ئے سے بدل دیتے ہین، جیسے گنگوہ سے گنگوئی، بدایونی (ج ۳ ص ۵۰) کے یہان نظر آتا ہے، اور حکیم احمد تتوی کو طبقات اکبری (قلمی ص ۲۵۳) مین تتئی لکھا ہے،

مذکورۂ بالا قاعدہ کے ماتحت لفظ کڑہ کی صحیح نسبت کڑوی ہونا چاہئے، چنانچہ حکیم عبد الحی صاحب مرحوم نے نزہۃ الخواطر کے صفحات ۱۹، ۴۳، ۱۷۱، اور ۴۷، اپر کڑہ کے رہنے والے علما کو الکروی ہی لکھا ہے،

لیکن پرانی تصنیفات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ کڑہ کے رہنے والے عالم اپنی نسبت الکڑوی کے بجائے الکڑئی لکھا کرتے تھے، سردست اس بیان کی شہادت مین کتابخانہ ریاست رامپور کے دو قلمی نسخون کو پیش کیا جا سکتا ہے،

۱) کتاب ثمرۃ الفوائد فارسی (فن حدیث نمبر ۶۶) ہے، حمد و نعت کے بعد مصنف لکھتا ہی:

"اما بعد می گوید خاکپائے درویشان احمد محی الدین ابن سید محمد غوث المدعو بسید جیو، قدس اللہ سرہٗ العزیز الحسینی مجد[1] او الکرئی مسکنا"۔

---

[1] غالباً جد" کو کاتب نے مجد الکھا ہے،

(۲) وسیلۃ الطالبین الی محبۃ رب العالمین فارسی (اوراد نمبر ۱۴) ہے، اس کا مصنف دیباچہ میں تحریر کرتا ہے:

"وبعد می گوید متکلم فقیر خاکپائے صغیر و کبیر کمال عز کرئی"

مصنف کا پورا نام مخدوم کمال الدین عرف شیخ کالو ہے، دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ شیخ حسام الدین مانکپوری، خلیفہ قطب العالم نور الدین احمد بن عمر بن اسعد لاہوری کا مرید ہے، اسلئے یہ یقیناً کڑہ مانکپور کا باشندہ تھا جس کو اس نے الکرئی سے ظاہر کیا ہے،

بنا بریں اسپر نگر، ایتھے، اور آونات کے نسخوں میں المعروف بکرئی اسی کڑہ مانکپور کی طرف نسبت قرار پائے گی، اور چونکہ یہ قدیم رواج کے مطابق ہے، اسلئے اس کو غلط بھی نہیں کہا جا سکے گا، اب الکرئی رہ جاتا ہے، جیسا کہ ہمارے کتاب خانہ کے دونوں نسخوں میں ہے میری دانست میں کاتب اصل کی غلطی سے الکرئی کی جگہ الکری ثبت ہو گیا ہے، اور یا کتاب کے کسی نسخہ میں خود مصنف نے گکی، سکندری وغیرہ کے ماتحت الکری بحذف ہ آخر لکھا ہے،

بہر حال یقین ہے کہ شرح مخزن اسرار کا مصنف کرئی یعنی کڑہ مانک پور کا باشندہ ہے، مگر اس کے خاندان کا اصل وطن بلخ تھا، اسی لئے وہ اپنے آپ کو "البلخی" بھی لکھتا ہے،

لقب کی حقیقت | بدر الخزانہ کے بارے میں میری رائے یہ ہے، کہ یہ شارح کا لقب ہے جو اصل میں بدر الدین تھا، موجودہ نسخوں کے منقول عنہ میں "الدین" کو خطی مشابہت کے باعث الخزانہ یا الحزانہ پڑھا گیا ہوگا، اس کے بعد سے یہی لفظ مروج ہو گیا،

صاحب کشف الظنون نے صرف بدر البلخی لکھا ہے، جس سے اس خیال کو تقویت ہوتی ہے، کہ بدر مصنف کا لقب ہے، اور چونکہ عربی مصنفین عام طور پر لقب سے "الدین" کو حذف کر کے اس کا پہلا جزو ذکر کر دیتے ہیں، اس لئے ہم یہ مان لینے میں، ذرا بھی تامل نہیں کرتے کہ

صاحب کشف کا مقصد "بدر الدین البلخی" ہے،

اصل نام کی تحقیق | اب ہمیں نسخہ کتاب خانہ رام پور، نمبری ۵۹ کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے اس میں تمام دوسرے نسخوں کے خلاف مصنف کا نام مظہر بن قوام درج ہے، اگر ہم تھوڑی دیر کیلئے تمام نسخوں سے یہ کہکر قطع نظر کر لیں، کہ یہ سب ایک اصل سے منقول ہونے کے سبب سے ایک نسخہ کے برابر ہیں، اور اسلئے نسخہ نمبری ۵۹ کے مقابلہ میں ان کے بیان کو ترجیح نہیں دیجا سکتی، تو پھر ہم یہ جستجو کرنے پر مجبور ہوں گے، کہ یہ مظہر کرئی کون شخص ہے،

تذکرہ کی کتابوں میں ایک صاحب علم و فضل شاعر مظہر کڑہ کا ذکر نظر آتا ہے، اورنٹیل کالج میگزین، ماہ مئی ۱۹۳۵ء میں پروفیسر محمد وحید مرزا صاحب نے اس کے دیوان کے ایک نسخہ کے سلسلے میں، جو حکیم آشفتہ صاحب لکھنوی کی ملک ہے، ایک مقالہ سپرد قلم فرمایا تھا، اس مقالہ کے ساتھ فاضل محترم مولانا محمد شفیع صاحب پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور نے تمام اُن کتابوں کے اقتباسات شامل کر دیے ہیں، جن میں مظہر کڑہ کا تذکرہ ہے، اور تنجانۂ ملا صوفی مازندرانی سے اس کے قصائد و غزلیات کے اشعار بطور ضمیمہ نقل فرمائے ہیں،

جولائی ۱۹۳۵ء کے رسالہ معارف، اعظم گڈہ میں مخدومی نواب صدر یار جنگ بہادر مولنا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی نے ایک مضمون تحریر کیا ہے، جس میں مظہر کے قصائد کے ایک جدید نسخہ کی اطلاع دیتے ہوئے اس کے حالات زندگی پر اس کے کلام کی روشنی میں نظر ڈالی ہے، مذکورۂ بالا مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ

مظہر کڑہ مانکپور کا باشندہ تھا، جو الہ آباد کے قریب اس عہد میں صوبہ کا صدر مقام تھا، باپ کا نام معلوم نہیں لیکن وہ بھی شاعر اور شاہ وقت کے دربار سے منسلک تھا، مظہر نے مختلف علوم و فنون کی باضابطہ تعلیم حاصل کی تھی، اور شعر گوئی کیساتھ ساتھ علوم کا درس بھی دیتا تھا،

یہ فیروز شاہ تغلق اور اس کے عہد کے امراء کی سرکارون کا مداح تھا، چنانچہ عین الملک کی طرف سے اسکو صلہ مین جاگیر بھی عطا ہوئی تھی،

کہا جاتا ہے کہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سے شرف ارادت حاصل تھا، اس لئے انکی وفات پر ایک مرثیہ بھی لکھا ہے، جو دیوان مین موجود ہے، لیکن شجرۂ منظومہ مین نظام الدین اولیاؒ کے بعد رکن حقیقت نام ملتا ہے، جو کسی رکن الدین کی طرف اشارہ ہے، اس کا دیوان عرصہ تک غیر مرتب پڑا رہا، مولانا محمد صوفی مازندرانی نے گجرات مین اس غیر مرتب دیوان کا ایک نسخہ پایا، اور اوس کو مرتب کرکے شائع کیا، اس نسبت سے اس کو بعض تذکرہ نویسون نے گجراتی لکھدیا ہے،

سنہ وفات کا پتہ نہیں چلتا، لیکن اسکے ایک قصیدہ مین ۷۷۰ھ کا ذکر آگیا ہے، نیز دوسرے قصیدہ سے جو محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق کی مدح میں ہے، یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ یہ ۷۹۲ھ تک جو شاہ مذکور کی تخت نشینی کا سال ہے بقید حیات تھا،

اسکی تصنیفات مین دیوان کے علاوہ ایک رسالہ نصیب اخوان ہے، جو ۷۷۶ھ میں نصاب الصبیان فراہی کے جواب مین لکھا گیا تھا،

اس کے کلام مین جن شعراء کا تذکرہ ملتا ہے، وہ سعدی، جمال الدین، نزاری، کمال اصفہانی، بدیع الہمانی، رضی نیشاپوری، معزی، عنصری، فردوسی، انوری، خاقانی، فرید، عسجدی، عمعق، سنائی، ہمام، ظہیر وغیرہ ہین،" (انتہی ملخصاً)

مطہر کڑہ کے مذکورۂ بالا خلاصہ حالات کو سامنے رکھکر جب شرح میں مندرج سوانحی اشارات کو دیکھا جائے، تو دونون ایک شخصیت پر منطبق ہو جاتے ہین،

(۱) اولاً یہ کہ مطہر کڑہ شاعر، اور مطہر المعروف بکرئی کا زمانہ ایک ہے، صرف یہ فرق ہے کہ

قصائد سے معلوم ہوتا ہے، کہ مطہر شاعر ۷۹۲ھ تک بقید حیات تھا، جو محمد شاہ کی تخت نشینی کا سال ہے، اور شرح سے پتہ چلتا ہے، کہ مطہر کری ۷۹۸ھ تک زندہ تھا، جو شرح کا سنہ تالیف ہے، اور ظاہر ہے کہ جو شخص ۷۹۲ھ میں زندہ ہو، وہ چھ سال بعد تک زندہ رہکر ۷۹۸ھ کو پاسکتا ہے،

(۲) دوئم یہ کہ قصائد مین مطہر شاعر نے جن شعراء کا ذکر کیا ہے، مطہر کری نے شرح مین اون میں سے متعدد شعراء کے اشعار کو سند مین پیش کیا ہے، مثلاً فردوسی، انوری، خاقانی، ظہیر، سعدی، سنائی، جلال الدین رومی، مولانا جمال الدین، فرق یہ ہے کہ قصائد مین امیر خسرو اور حسن سنجری وغیرہ کا ذکر نہین، برخلاف اس کے شرح مین ان دونون بزرگون کا بارہا حوالہ ملتا ہے، شارح خسرو کو امیر خسرو ترک اللہ کہتا ہے، ایک مقام پر ملک احمد پسر امیر خسرو ترک اللہ کا ایک شعر بھی نقل کیا ہے، جو حسب ذیل ہے، (صفحہ ۸۴ مطبوعہ و صفحہ ۱۲۰ نسخہ قلمی نمبر ۲)

از تیغ آبدار بدہ آب در وغا از ہیبت تو خشک شود خصم را دہان

ان کے ماسوا ضیاء نخشبی، (۷۵۱ھ) مغیث ہانسوی حمید قلندر (۷۶۸ھ) اور مولانا خواجگی (۸۱۹ھ) کا تذکرہ بھی قصائد مین نہیں ہے، مگر استشہاد کے ذیل مین ملتا ہے،

لیکن یہ فرق بھی چندان قابلِ لحاظ نہین، کیونکہ فخر کے موقع پر جن شعراء کا تذکرہ نہین کیا جاسکتا، استشہاد کے وقت وہ ذکر میں آسکتے ہین، بنا برین ممکن ہو کہ مطہر نے ایک جگہ اہم مرتبہ والے شعراء کو پیش کیا ہو، اور اسی نے شرح میں اپنے مطلب کے ثبوت مین اپنے پیشرؤن اور معاصرین مین سے نسبتہً کم رتبہ والون سے مدد لی ہو،

(۳) سیوم یہ کہ مطہر کرئی نے ایک مقام پر دماغ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے،:-

"واین را در نصاب العقلا، شرح گفتہ ایم درین محل بتمامی نتوان گفت"۔

(شرح مخزن، نسخہ مطبوعہ صفحہ ۵۲)

اسی قسم کی ایک کتاب نصیب اخوان جو فراہی کی نصاب الصبیان کا جواب ہے، مطہر کڑہ کی تصنیف خیال کی گئی ہے، ممکن ہو کہ یہ دونون نام ایک ہی کتاب کے متن اور شرح کے ہون؛ لیکن یہ تو اغلب ہے کہ یہ ایک ہی موضوع کی دو کتابیں ہون،

اور چونکہ مطہر کڑہ کی نصیب اخوان [illegible]ھ کی تصنیف ہے، اور مطہر کری نے شرح مین نصاب العقلاء کا تذکرہ ۷۹۵ھ میں کیا ہے اس لئے دونون کے ایک شخص کی تصنیف ہونے پر کوئی تاریخی اعتراض وارد نہین ہوتا،

(۴) چہارم یہ کہ مطہر کڑہ نے اپنے ایک قصیدہ مین نظام الدین اولیاء کے بعد کسی رکن حقیقت کا ذکر کیا ہے، مطہر کری نے اپنی شرح میں شیخ رکن الدین ابو الفتح کا ذکر کیا ہے، میری نزدیک یہ رکن حقیقت اور رکن الدین ابو الفتح مولانا رکن الدین جعفر ہین، جو خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے، مرأۃ الاسرار[1] مین لکھا ہے، کہ صاحب ذوق وشوق اور مبتلائے سماع تھے، خوشنویس بھی تھے اسلئے اکثر سلطان المشائخ کے لئے کتابین نقل کیا کرتے تھے،

(۵) پنجم یہ کہ مطہر کڑہ شاعر بھی تھا اور صاحب علم وفضل بھی، مطہر کڑی مین بھی یہ دونون صفتین موجود ہین، اس کے صاحب علم ہونے کا ثبوت یہ ہو کہ وہ شرح میں مصابیح، صحاح جوہری، تفسیر زاہدی، تفسیر لباب، تفسیر عمدہ، شرح تلخیص المفتاح، کتاب طبائع الحیوان، تاج الاسامی، دستور الافاضل، جوامع الحکایات عوفی، جامع الصنائع، تہذیب المصادر، فتح الباری شرح الجامع الصحیح للبخاری، امالی قالی، اور تفسیر کشاف وغیرہ عربی وفارسی کتابون کے حوالے اور اقتباسات پیش کرتا ہے، اور شاعری کی دلیل یہ ہے کہ کتاب کے دیباچہ میں حسب ذیل حمدیہ اشعار بدون انتساب مذکور ہین،

[1] مرأۃ الاسرار قلمی، ورق ۷۰، ۲، تصنیف شیخ عبد الرحمن چشتی، جو ۱۰۶۵ھ مین تمام ہوئی،

لحمد الله ثم حمدا له   علی ما کسانا رداء النعم
وشکرا له ثم شکرا له   علی ما ھدانا بشکر النعم
معرفت آموز شناسندگان   معصیت آمرز ہراسندگان،
عقدہ کشائے دل ہر غمکشی   شاد کن سینۂ ہر ناخوشی،

ان کے بعد نعت مین بھی کچھ شعر بدون انتساب درج کئے ہین جو تا وقتیکہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ کس شاعر کے ہین، خود شارح ہی کے خیال کئے جاسکین گے،

ان اشعار کے ماسوا کتاب میں ایک شعر مطہر کے نام کے تحت بھی مذکور ہے، خواجہ نظامی رحمۃ اللہ علیہ کے شعر:

گنبد پوینده که پاینده نیست   جز بخلاف تو گراینده نیست

کے سلسلہ مین لکھا ہے، کہ ملک الکلام خاقانی بھی اس مضمون کو اس طرح ادا فرماتے ہین :-

آرزوے کہ از جہان خواہیم   بدہد زانکہ مست بے خراست
لیکن آن دادہ راہشیاری   داستاند کہ نیک بدگہراست

اس کے بعد لکھا ہو کہ افضل العصر مولانا مطہر فرماید، بیت،

در سخاوت بکو دکان ماند   بدہد زود، زود بستاند

(نسخۂ رامپور نمبر ۵۹)

ہمارے دوسرے نسخہ، نمبری ۶۰ (ص ۲۴۹) مین مطہر کو منظر لکھا ہے، مگر اس کے ساتھ لفظ "فرماید" کی جگہ "گوید" ہے، نسخہ مطبوعہ مین (۱۵۰) "افضل العصر مولنا ظہیر گوید" مندرج ہے، میری رائے مین یہ لفظ مطہر ہے، اور اصل نسخہ مین عبارت ہوگی "بندۂ احقر مطہر گوید" کسی ناقل کتاب نے ازراہ تعظیم اسکو بدل کر "افضل العصر مولانا فرماید" کر دیا، اور کسی نے "افضل العصر مولنا گوید" رکھا، جو اصحاب عربی زبان سے

واقف ہین، انھون نے اس قسم کا تغیر عربی کتابون کے دیباچون مین بارہا دیکھا ہوگا، کہ مصنف نے جہان اپنے لئے انکسار کے الفاظ لکھے تھے، وہان شاگردون نے کتاب نقل کرتے وقت تعظیمی لفظ درج کئے ہین،

اگر یہ قیاس صحیح ہو، تو پھر مطہر کری شارح کتاب کے مطہر کڑہ، شاعر ہونے مین کوئی شبہہ باقی نہین رہتا، لیکن یہان یہ امر واضح کر دینا مناسب ہوگا، کہ مین نے نسخۂ مطبوعہ کے ظہیر کے پیش نظر سرسری طور پر دیوانِ ظہیر فاریابی کو دیکھا تھا، اور اس مین یہ شعر نہیں پایا، اگر کسی وسیع النظر بزرگ کو دیوان ظہیر کے بالاستیعاب مطالعہ سے یہ شعر ملجائے تو پھر میرا قیاس اس شعر پر مبنی نہ ہوگا، بلکہ اس سے پہلے جو وجوہ مین لکھ چکا ہون، ان پر میری رائے کی بنیاد قائم رہے گی،

نتیجہ بحث | نتیجہ بحث یہ ہے کہ ظہور الاسرار نامی ظہور الحسن بجنوری کی تصنیف نہین ہے، بلکہ یہ بدر الدین مطہر بن قوام بن رستم بن محمود البلخی الکرئی نے ۹۵۰ھ مین تالیف کی تھی، مختلف وجوہ کی بنا پر میرا قیاس یہ ہو کہ یہ مطہر کرئی وہی شخص ہے، جو فیروز شاہ تغلق کے زمانہ مین بنام مطہر کڑہ شعر گوئی کے وصف سے موصوف تھا، اور جس کا دیوان قصائد حال ہی مین دو جگہ دستیاب ہوا ہے، یہ اصلاً بلخ کا ہے، لیکن اس کا باپ کڑہ مانکپور مین آباد ہو گیا تھا، اسلئے یہ اپنے آپ کو "البلخی الکرئی" لکھتا ہے، اس نے حسب ذیل کتابین یادگار چھوڑی تھیں،

(۱) دیوان اشعار (۲) شرح سکندر نامۂ بری وبحری (۳) شرح مخزن اسرار (۴) نصیب اخوان (۵) نصاب العقلاء،

ان میں سے نمبر او ۳ و ۴، اب بھی دستیاب ہوتی ہین، بقیہ کا پتہ نہین،

شرح مخزن کے بعض فوائد | قیاس در قیاس کی الجھنون میں پڑنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس شرح کے بعض دلچسپ اور مفید بیانون کو ذیل مین درج کیا جائے، مولنا نظامی کے شعر:-

شیشۂ گل آب شکر می فشاند، شمع بدستار چہ زر می فشاند،

کے تحت مین شارح لکھتا ہے، کہ "می ہر چند تلخ است باعتبار تلذذ شیرین بود، ونیز در ہند، می از شکر و گل می سازند وآن را عرق گل گویند، چنانکہ مولانا جمال الدین استباجی (؟) گوید":

بنوشم از کف خوبانِ دہلی، شرابی آنچنان کز گل چکد خوی

(ص ۴۳، نسخہ نمبر ۵۹)

(۲) زلیخا کے سلسلہ مین لکھا ہے، کہ "در مصر بادشاہ را عزیز گویند، چنانکہ در روم قیصر و در چین خاقان و فغفور، و در شیراز اتابک، و در عراق کسریٰ، و در عرب ملک و سلطان، و در ہند سلطان خوانند"

(ص ۱۴۸، نسخہ مذکور)

(۳) ایک مقام پر لفظ "منشور" کی تشریح میں لکھا ہے، "ومنشور در اصطلاح عرف، و وجہ سادات ومثال و فرمان پادشاہ و خلیفہ را ہم گویند، و این جا فرمان مراد است"، "ومنشور نویس" دبیر را گویند کہ مثال پادشاہ و خلیفہ را بنویسد"۔ (ایضاً ص ۱۶۰)

اس بیان سے اُن لوگون کی تائید ہوتی ہے، جو لفظ مثل (بمعنی فائل) کو حرف ثا کے ساتھ لکھتے ہین، کیونکہ اگرچہ مثل صحیح لفظ نہین، لیکن بہر نوع ہے تو اسی لفظ کا مخفف جو ث کے ساتھ لکھا جاتا ہے، پس کوئی وجہ نہین کہ اسکو مسل (سین کیساتھ) لکھکر اصل سے دور کیا جائے،

(۴) سمن سپید کو لکھا ہے کہ "در ہند سمن سپید را جنبہ (چینبہ گویند) (ص ۱۶۲ نسخہ مذکور) اور عود کے متعلق لکھا ہو کہ از عودش عود قماری مراد است کہ آنرا ہندوی تیلیہ گویند، در غایت بوئے خوش و سیاہ می باشد (ایضاً ص ۱۶۶) شقاقل کے بارے مین لکھا ہے کہ شقاقل بیخ گزر دشتی است کہ بہ ہندوی سیالی دہالی گویند، (ایضاً ص ۲۰۲)

ان اقتباسون سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ شارح ہندوستان کا رہنے والا تھا، ورنہ فارسی الفاظ کیلئے

ٹھیٹ ہندی مترادف الفاظ نہ وہ تلاش کرتا، اور نہ اوسے سہولت کے ساتھ یہ الفاظ ملتے،

(۵) شارح نے شیخ سعدی شیرازی کا حوالہ بارہا دیا ہے، ان مقامات مین سے صرف ایک جگہ تو مصلح الدین سعدی لکھا ہے، باقی تمام مقامات پر "مشرف الدین سعدی" تحریر کیا ہے، اس سے مین یہ خیال کرتا ہون کہ آٹھوین صدی ہجری میں ہندوستان کے اندر شیخ کا لقب مشرف الدین زبان زد تھا، اور اسی لئے مجھے شبہہ ہے، کہ جہان کتاب میں مصلح الدین ملتا ہے، وہ خود شارح ہی کا لکھا ہوا ہے کاتب کی تحریر نہین ہے،

(۶) امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے بھی بہت سے اشعار جابجا ملتے ہین، ان کے نام کے ساتھ تقریباً ہر جگہ "ترک اللہ" لقب ضرور لکھا گیا ہے، یہ لقب حضرت نظام الدین اولیارح نے اپنے ترکی النسل مرید کو عطا فرمایا تھا، چنانچہ ایک قصیدہ میں خود خسرو نے اس کا اظہار کیا ہے، فرماتے ہین،:-

برزبانت چون خطاب بندہ ترک اللہ رفت ‏ ‏ ‏ ‏ دست ترک اللہ بگیر و ہم باللہ اش سپار

معلوم ہوتا ہے کہ آٹھوین صدی میں یہ لقب ان کے نام کا جزو لاینفک بن گیا تھا، اور ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا کہ امیر خسرو کا نام بلا ترک اللہ کے لیا جائے،

اس ضمن مین یہ تذکرہ بھی بیجا نہ ہوگا کہ شارح نے ایک مقام پر امیر خسرو مرحوم کی مثنوی "دولرانی خضر خان" کے اشعار نقل کئے ہین، مگر اس کتاب کو "عشق نامہ خضر خان" کے نام سے یاد کیا ہے۔

(۷) شارح نے ایک مقام پر سنہ ہجریہ کے ساتھ چند اور سنین بھی ذکر کئے ہین جن کا تذکرہ یہان مناسب ہوگا، وہ لکھتا ہے،:

بدانکہ درین وقت کہ از ہجرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم ہفصد نود، پنج سال است، از خلقت آدم صلوٰۃ اللہ علیہ تا امروز شش ہزار ہفصد و نود پنج سال گذشتہ است، اما از خلقت جان تا وقت طوفان بر قوم نوح علیہ السلام یک لکھ ہشتاد ہزار سال گذشتہ بود و این تاریخ

علائی و ناصری و غوری است و از طوفان نوح پیغامبر علیہ السلام تا این وقت چار ہزار چہار صد نود و شش سال شدہ، (نسخہ نمبر ۵۹ صفحہ ۳۰)

اس عبارت مین تاریخ علائی و ناصری و غوری قابل غور ہے،

(۸) ایک مقام پر شارح نے لفظ خرگاہ کے متعلق بڑا دلچسپ تاریخی نکتہ لکھا ہے، کہتا ہے،

"تو خرگاہ را سلطان محمد شاہ بن تغلق شاہ نور اللہ مرقدہ خرمگاہ نام کردہ بسبب کراہیت لفظ خر گہ از آن روز باز در دیار دہلی خرمگاہ میگویند" (ایضاً صفحہ ۳۱۰ و صفحہ ۹۰ و صفحہ ۲۵۳)

مین نے عہد محمد تغلق کی تاریخون پر سرسری نظر ڈالی، مگر یہ واقعہ نہیں ملا، اگر حقیقۃً تاریخون مین اسکا ذکر نہیں آیا ہے، تو محمد تغلق کی خوش ذوقی کی ایک اہم شہادت دستیاب ہوتی ہے، اور اگر مذکور ہے، گو میری نظر نہین پڑی، تو یہ تاریخ کے بیان کی مزید شہادت قرار پاتی ہے، والحمد للہ اولاً و آخراً

قصص الحق

از

پروفیسر سید نواب علی صاحب سابق وزیر تعلیم ریاست جوناگڈہ

"ہمارے محترم سید نواب علی صاحب سابق وزیر تعلیم جوناگڈہ نے ملازمت سے سبکدوشی کے بعد لکھنے پڑھنے مین بھی قریب قریب خاموشی کی زندگی اختیار کر لی تھی، لیکن پھر حالات نے انھیں اس خاموشی کے توڑنے پر مجبور کیا، چنانچہ آج کل وہ قصص قرآنی کے حکم و مصالح اور دوسرے صحیفون کے قصص کے مقابلہ مین اسکی خصوصیات پر ایک کتاب لکھ رہے ہین، جس کا ایک ٹکڑا انھون نے معارف مین اشاعت کے لئے بھیجا ہے، جو ناظرین کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔"

انسان نے جب سے اس عالم رنگ و بو مین قدم رکھا ہے، قدرت کے مناظر و مظاہر خصوصًا اجرام سماوی نے اسے اپنی طرف ایسا متوجہ کر لیا، کہ اس عالم حیرت میں اس نے گوناگون واقعات و حوادث اور فصلون کے انقلابات کو جو اس کے لئے ایک معما بنے ہوئے تھے، خوف و رجا کی رنگین عینک سے دیکھ کر عالم خیال مین اپنے لئے ایک نئی دنیا آباد کر کے داستان سرائی شروع کی، اس نئی دنیا کی مخلوق اگرچہ اسی کی طرح چلتی پھرتی، کھاتی پیتی اور لڑتی جھگڑتی تھی، لیکن اس کے واہمہ نے ان کی صورتین عجیب الخلقت اور قوتین مافوق العادۃ تصور کین، پھر گیتون اور نظمون کے ذریعہ سے دیوتا اور دیویان جن اور پری، دیو اور بھوت وغیرہ کا حلقہ دام خیال بن کر مذہبی حیثیت سے تسلیم ہونے لگا، مثلاً اگر ہمالیہ کی برفستانی چوٹیون پر اندر کا اکھاڑا قائم ہے، تو یونان کے المپس پہاڑ پر زئیس کا پرستان ہے، اگر وادی نیل مین اُسائرس اور آئی سس کے آسمانی دربار مین نیک اور بد روحون کا جمگھٹا ہے، تو بابل اور نینوا کے دیوتاؤن مردوخ اور اشور کے طلسمی قلعہ مین عجائبات کا عالم نظر آتا ہے، غرضکہ قدیم انسان کی داستان سرائی کا یہ پہلا دور تھا، جو اسکی دماغی نشو و نما کی عہد طفولیت کا خواب آور افسانہ ہے،

دوسرا دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے، جب مشاہیر قوم کے کارنامے ایسے مبالغہ آمیز اور مافوق العادۃ پیرایہ مین بیان کئے گئے کہ ان بندگون کو جوش غلو مین دیوتاؤن سے ملا دیا یا خود دیوتاؤن کو ان مین حلول کیا ہوا تصور کیا، اس طرح توہم پرستی کے ساتھ اسلاف پرستی بھی جس مین باکمال شعراء کی سحر کاریون نے چار چاند لگا دیئے، مقبول خاص و عام ہو گئی، ہومر کی ایلیڈ، ویاس کی مہابھارت، والمیکی کی راماین، عجم کے شاہنامے جو رزم و بزم کے مشہور شاہکار ہین، اصل مین ایک ہی قوت متخیلہ کے متلاطم سمندر کی اٹھتی ہوئی موجین ہین، اور جذبات انسانی کی سچی تصویرین، ان مین کہین بلند افکار روشن خیالی اور اخلاق فاضلہ کے رنگ برنگ پھول کھلے ہوئے ہین، اور کہین مزخرفات کے کنکر پتھر، اور لغویات کے کانٹے بچھے ہوئے ہین، مثلاً مہابھارت مین سری کرشن ارجن کو میدان جنگ مین فلسفہ عمل اور وحدت وجود کی الہامی تعلیم جو گیتا کے نام سے مشہور ہے، ایسی دقیقہ سنجی سے دیتے ہین، کہ افلاطون کی اشراقیت اسکے سامنے بازیچۂ اطفال معلوم ہوتی ہے، لیکن پھر اسی مہابھارت مین دیوتاؤن کے شرمناک افسانے جن کا اثر اخلاق پر نہایت برا پڑتا ہے مذکور ہین، اسی طرح الیڈ مین یونانیون کے حب وطن، عزم بالجزم اور دلیری اور جانبازی کی داستانین انسانی جذبات عالیہ کی دلکش تصویر کھینچ دیتی ہین، لیکن پھر اسی کتاب مین یونانیون کی معبود اعظیم زئیس کی بیٹی ہلن کی عصمت فروشی اور جنگ عظیم کا باعث قرار پانا نفرت اور حقارت کی جذبات پیدا کرتی ہین، خصوصًا جب مشرقیت اور مغربیت کا یہ فرق بھی پیش نظر

ہوتا ہے کہ مادرِ ہند کی مجسمۂ وفا و محبت سیتا باوجودیکہ اسکی عصمت راون کے محل میں محفوظ رہتی ہے،
جب لنکا کے فتح کے بعد اس کو طعنہ دیا جاتا ہے، تو وہ غیرت مند آگ میں کود کر اپنی عصمت کی شہادت
دیتی ہے، لیکن فتنۂ روزگار یونان کی ہلین اپنے عاشق کے ساتھ مفرور ہو کر عیش و عشرت میں مشغول
ہوتی ہے، پھر جب ٹرائے فتح ہو جاتا ہے، اور اوس کا عاشق مجروح ہو جاتا ہے، تو وہ اپنے
وطن میں پھر اپنے شوہر کے ساتھ واپس آکر اسی طرح رہنے سہنے لگتی ہے، اسی طرح ٹرائے فتح
کرکے جب شاہ یونان اگاممنن دس برس کے بعد وطن واپس آتا ہے، تو اسکی ملکہ کلائٹم نسٹرا جس نے
ان ایام میں شوہر کے ایک عزیز سے آشنائی کر لی تھی، بادشاہ کو غسل خانے میں پھندا ڈالکر جکڑ لیتی ہے،
پھر پشت سے اس کا آشنا بڑے فاتح ٹرائے کا سر اڑا دیتا ہے، برعکس اس کے مہابھارت میں پری جمال
شکنتلا کا شوہر، راجہ دشنت اور ماہرو دمینتی کا شوہر راجہ نل دونوں ان کو چھوڑ کر ذلیل و خوار
رکھتے ہیں، لیکن وہ محبت اور وفا کی پتلیاں طرح طرح کی تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کرکے انہی
شوہروں کے نام پر عصمت کے ساتھ جیتی ہیں، اور آخر میں پھر اپنے شوہروں سے ملکر مسرت و
نیکنامی کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہیں، سچ کہا گیا ہے کہ مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب، اور یہ
دونوں کبھی نہ ملیں گے، بیشک بحرِ ہند بحرِ روم سے الگ ہی، یہاں تو آبدار موتی بھی نکلتے ہیں، مگر وہاں
خونخوار دریائی جانور!

ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

داستان سرائی کا تیسرا دور جانوروں کی زبان سے امثال و حکایات پر مشتمل ہے، سب سے
پہلے ہند قدیم میں یہ طرز اختیار کیا گیا، پنچتنترا اور ہتوپدیش اس صنف کے مشہور مجموعے ہیں، اور
اگرچہ ان کی غایت اخلاقی تعلیم تھی، لیکن چونکہ عقیدۂ تناسخ کی بنا پر ہر شجر و حجر کیڑے مکوڑے وغیرہ
ہر شے میں عمل پیرا یقین کیا جاتا ہے، اسلئے یہ کہانیاں اور کہاوتیں خاص و عام سب میں مقبول ہو گئیں،

یونان کا ایسپ جو چھٹی صدی قبل مسیح میں حکیم فیثاغورث کا معصر تھا، انسے مستفید ہوا، اور اپنی شہرۂ آفاق
کہانیاں لکھیں، پنچتنترا کا ایک جز نوشیروان عادل کے حکم سے پہلوی زبان میں ترجمہ ہوا، پھر جب مسلمانوں
نے ایران فتح کیا تو خلیفہ منصور عباسی کے عہد میں عربی میں ترجمہ کیا گیا اور بعد کو یہی کلیلہ و دمنہ فارسی
اور یورپ کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا،

دنیائے قدیم کے آریہ نسلوں میں جب داستان سرائی کا یہ رنگ تھا، تو سامی نسل کی ایک
چھوٹی سی منتخب روزگار قوم بنی اسرائیل نے ایک ایسا طرز اختیار کیا جس کی نوعیت جداگانہ
ہے، اس قوم کے مورثِ اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ نے اس کو توحید کی تعلیم دی تھی جس کا اثر یہ ہوا
کہ جب تعدد الٰہ کا عقیدہ باطل قرار پایا، تو دیوتاؤں اور دیویوں کے قصے کہانیاں لغویات
میں داخل ہو گئیں، اب اس قوم کے واقعات و حوادث کی داستانیں مورخانہ حیثیت سے بیان
ہونے لگیں، اگرچہ ان پر خرقِ عادات کا رنگ چڑھا ہوتا تھا، یہ رنگ اصنام پرستوں کے میل
جول اور بیت المقدس کی تباہی اور یہود کی خانہ ویرانی کے باعث اصلی صحیفوں کے ضائع ہو جانے
سے ایسا گہرا ہو گیا، کہ اصلیت پر پردہ پڑ گیا، اب مروجہ تورات و اناجیل کی یہ حالت ہے کہ
وہ ایک ایسی ہزار دانہ والی تسبیحیں ہیں جن میں سچے اور جھوٹے موتی ایک ساتھ پروئے ہوئے ہیں،
مثلاً توریت کتاب الملوک اول باب ۸ میں حضرت سلیمانؑ بیت المقدس کو تعمیر کرکے خداوند
یہوہ کی تقدیس و تہلیل کرکے توحید و تقدس کی تعلیم مؤثر پیرایہ میں دیتے ہیں، لیکن پھر اسی
کتاب کے باب ۱۱ میں آپ کی طرف کفر و بت پرستی منسوب ہے، اسی طرح حضرت داؤدؑ کی
خدا پرستی اور بزرگی کی شہادت اس کتاب کے باب ۸ میں خود خدا دیتا ہے، اور آپ کے نغمات زبور
سے مناجات اور خشیتِ الٰہی کی موثر تصویر کھینچ جاتی ہے، لیکن پھر کتاب دوم صموئیل باب ۱۱
میں ایک فوجی افسر اوریا کی بیوی سے آپ کا ناجائز تعلق اور شوہر کو قتل کرا کر عورت سے عقد

کر لینے کی تو داستان بت پرستوں کے دیوتاؤں کے حرکات کی طرح مذکور ہے، خیر تورات میں عصمت انبیاء تو خاک میں ملتی ہی ہے، لیکن مسئلۂ توحید اصنام پرستوں کے اوہام اور قصے کہانیوں میں غائب نہیں ہونے پاتا، لیکن انجیل میں یہ حالت بھی نہیں رہتی، حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ اور ثالث ثلثہ کہا جاتا ہے، جیسے قدیم مصریوں میں اسارس اسکی بیوی آئی سس اور اس کا بیٹا ہورس مانے جاتے تھے، یا جیسے قدیم یونانیوں میں دیوتاؤں کی تثلیث کا عقیدہ تھا، واقعی انسانی تخیل بھی عجب چیز ہے،

گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دلِ وجود — گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں

آخر وہ وقت آیا جب ایک پاک نظر جس کی صفت مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی تھی دلِ وجود کو چیر کر حقیقت کا آئینہ دار بن گیا، اور قدرت کے مناظر و مظاہر اور اقوامِ عالم کے حوادث و واقعات جو توہمات اور خرقِ عادت میں الجھے ہوئے تھے، ایک ہی قادرِ مطلق اور موثر حقیقی کے قانون کی پابندی میں منتظم ہو کر اہلِ نظر کے لئے عبرت و بصیرت ہو گئے، اس اجمال کی تفصیل آئندہ اوراق میں بیان ہو گی، یہاں پہلے وہ چند خصوصیتیں ذہن نشین کر لینا چاہئے، جو قصص قرآنی کا خاصہ ہیں

قصص قرآنی کی خصوصیات سہ گانہ:-

اول حسن انتخاب | داستان سرائی انسان کا فطری شوق ہے، اور ہر زمانہ میں ہر قوم نے اپنے مبلغ علم کے مطابق اس کا اظہار کیا ہے، متقدمین کے یہاں اگر قصص، حکایات اور امثال کی کثرت تھی، تو متاخرین کے یہاں ناول، ڈرامہ، افسانہ اور چھوٹی چھوٹی نفسیاتی کہانیوں کے انبار ہیں، قرآن مجید کی تعلیم میں چونکہ فطرت انسانی کا لحاظ رکھا گیا ہے، اس لئے قصص بھی مذکور ہیں لیکن وہی قصص جو امم سابقہ کے عروج و زوال اور ان کے اعمال کے نتائج سے متعلق ہیں، اس طور سے بیان کئے گئے ہیں جن سے تفکر اور عبرت حاصل ہو، نہ محض داستان سرائی کی لذت، ساتھ ہی وہ تمام

قصے کہانیاں اور شاعرانہ خیال بندیاں جو عالمِ خلق و امر کے متعلق دنیا کی دیو مالاؤں اور قدیم مذہبی کتابوں میں مذکور ہیں، نظر انداز کر کے ان کے بجائے حقیقتِ حال کو آشکارا کرنے کے لئے نظام و ترتیبِ عالم، قوائے فطرت اور قوانینِ قدرت کی طرف انسانی ذہن کو منتقل کر کے موثر پیرایہ میں علوم و معارف کے اکتساب و انکشاف کا شوق دلایا گیا ہے، اس قسم کی آیات قرآن مجید میں ۵۰، سے زائد ہیں، مثلاً

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ، وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ، وَمِنْ اٰیٰتِہٖ مَنَامُکُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَابْتِغَآؤُکُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ وَمِنْ اٰیٰتِہٖ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ

اور اسکی نشانیوں سے ہے یہ کہ تم کو بنایا مٹی سے پھر اب تم انسان ہو، زمین میں پھیلے پڑے اور اسکی نشانیوں سے ہے یہ کہ بنا دئے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے جوڑے کہ چین سے رہو ان کے پاس اور رکھا تمہارے بیچ میں پیار اور مہربانی؛ البتہ اس میں بہت پتے کی باتیں ہیں، ان کے لئے جو دھیان کرتے ہیں، اور اسکی نشانیوں سے ہے آسمان اور زمین کا بنانا، اور طرح طرح کی بولیاں تمہاری، اور رنگ، اس میں بہت نشانیاں ہیں سمجھنے والوں کو، اور اسکی نشانیوں سے ہے تمہارا سونا رات میں اور دن میں، اور تلاش کرنا اوسکے فضل سے، اس میں بہت پتے ہیں، ان کو جو سنتے ہیں، اور اس کی

مَآءً فَیُحۡیٖ بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِھَا
اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ
وَمِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ
بِاَمۡرِہٖ ثُمَّ اِذَا دَعَاکُمۡ دَعۡوَۃً مِّنَ
الۡاَرۡضِ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ تَخۡرُجُوۡنَ وَلَہٗ مَنۡ
فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ کُلٌّ لَّہٗ
قَانِتُوۡنَ، وَھُوَ الَّذِیۡ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ
ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ وَھُوَ اَھۡوَنُ عَلَیۡہِ
وَلَہُ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰی فِی السَّمٰوٰتِ
وَالۡاَرۡضِ وَھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ،
(سورۃ الروم ع ۳)

نشانیون سے ہے یہ کہ دکھلاتا ہی تم کو بجلی ڈر اور امید کے لئے اور اتارتا ہے آسمان سے پانی، پھر زندہ کرتا ہے اوس سے زمین کو مر گئے پیچھے اس مین بہت پتے ہین ان کے لئے جو سوچتے ہین، اور اسکی نشانیون سے ہے یہ کہ کھڑا ہے آسمان اور زمین اسکے حکم سے، پھر جب پکاریگا تم کو ایک بار زمین مین سے، اسی وقت تم نکل پڑوگے اور اسی کا ہے جو کوئی ہے آسمان اور زمین مین سب اسکے حکم کے تابع ہین، اور وہی ہے جو پہلی بار بناتا ہے، پھر اسکو دہرائیگا، اور وہ آسان ہے اس پر، اور اسکی شان سب سے اوپر ہے، آسمان اور زمین مین، اور وہ

مردون کو زندہ کرنیکی سب سے آسان مثال

دوم خوبی تفرقت

انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کی جلد دوم طبع جدید مین بائبل پر جو فاضلانہ اور مبسوط مضمون تحریر کیا گیا ہی اسکے ایک مقام مین لکھا ہی،

"عرصۂ دراز تک کتب مقدسہ کا مطالعہ جرح و تعدیل کے مستند اصول سے محروم رہا، یہودی محض اس عبرانی نسخہ کی پیروی کرتے تھے جس کی نسبت یہ مشہور تھا، کہ غالبًا دوسری عیسوی میں جمع کیا گیا، اور بعد ازان احتیاط سے محفوظ رکھا گیا، لیکن اس نسخے مین چند تحریفین تو ایسی ہین، جو صاف نظر آتی ہین، اور غالبًا ایک کافی تعداد تک ایسی تحریفین اور

بھی موجود ہین جن کی شاید اب یا کبھی پورے طور سے قطعی نہ کھل سکے۔"

قرآن مجید نے اس حقیقت کو ساڑھے تیرہ سو برس سے زائد عرصہ گذرا آشکارا کر دیا تھا، حضرت لوطؑ اور ان کی بیٹیون کا فحش قصہ، حضرت ہارونؑ کا گوسالہ بنانا، حضرت داؤدؑ اور قصۂ اوریا، حضرت سلیمانؑ اور بت پرستی غرضکہ اس قسم کی داستانین آج تک مروجہ عہد عتیق مین منقول ہین لیکن قرآن اُن کو محرف اور لغو قرار دیکر تصریف صحیح کے ساتھ ان خاصان خدا کے سچے قصے سناتا ہے، پھر ایک نفسیاتی پہلو بھی ملحوظ رہتا ہے، وہ یہ ہی کہ قصص مین دلکشی زیادہ تر حسن و عشق کی داستانون سے پیدا ہوتی ہے لیکن ان قدیم داستانون کے پھول ناپاک بیانات کے کانٹون سے الجھے ہوتے ہین، خصوصًا جب کہ شعراء نے خواہ وہ دیاس ہون یا ہومر طبع آزمائی کی ہو، قرآن مجید مین اول تو اس قسم کے قصص مذکور نہین، اور جہان ذکر ہے، مثلًا سورۂ یوسف، وہان اس کا پورا لحاظ رکھا گیا کہ بلیغ انداز سے کانٹون کو اٹھا کر پھول چن لئے جائین، توریت کے قصۂ یوسف اور قرآن کے سورۂ یوسف کا مقابلہ کرو، توریت سفر تکوین کے آخری چودہ ابواب، ۳۷ سے ۵۰ تک مین حضرت یوسفؑ کا ذکر ہے، ان مین ایک پورا باب ۳۸، آپکے بھائی یہودا اور اسکی بہو کی حرامکاری کی شرمناک داستان سے سیاہ کیا گیا ہے، قرآن مجید مین حضرت یوسفؑ کے حالات پوری سورت مین مذکور ہین، لیکن توریت کے اس شرمناک باب کے واقعات کا مطلق ذکر نہیں، عزیز مصر کی بیوی کی ہوائے نفسانی کا جہان ذکر کیا وہ چند لفظون مین بیان ہو کر یون ارشاد ہوتا ہے،

وَلَقَدۡ ھَمَّتۡ بِہٖ وَھَمَّ بِھَا لَوۡلَاۤ
اَنۡ رَّاٰ بُرۡھَانَ رَبِّہٖ کَذٰلِکَ لِنَصۡرِفَ
عَنۡہُ السُّوۡٓءَ وَالۡفَحۡشَآءَ اِنَّہٗ مِنۡ
عِبَادِنَا الۡمُخۡلَصِیۡنَ، (یوسف ۳)

البتہ عورت نے فکر کی اسکی، اور وہ عورت کی فکر کرتا، اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے اپنے رب کی قدرت یونہی ہوا ہوتا کہ ہم اس سے برائی اور بیحیائی کو ہٹا دین البتہ وہ ہمارے برگزیدہ بندون مین ہی،

یہ ہے کلام مجید کی مابہ الامتیاز شان،

ان ھٰذا القراٰن یقص علیٰ بنی اسرائیل اکثر الذی ھم فیہ یختلفون وانہ لھدی و رحمۃ للمؤمنین، (نمل - ۷۰)

یہ قرآن سناتا ہے بنی اسرائیل کو بہت چیزین، جس میں وہ جھگڑ رہے ہین، اور بیشک وہ ہدایت اور رحمت ہے ایمان والون کے واسطے، !

سوم لطف تکرار | قرآن مجید مین ایک ہی قصہ بار بار متعدد سورتون مین کہین بطور اجمال اور کہین تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ مقصود اصلی قصہ خوانی نہیں ہے، بلکہ سامع کے ذہن کو مطیعون پر لطف و انعام خداوندی اور ظالمون پر قہر و عذاب الٰہی کی طرف منتقل کر کے ایک قلبی کیفیت پیدا کرنا ہے، پھر جس جس صورت میں اس قصہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے، نئے نئے اسلوب سے قادر الکلامی کے ساتھ مقصود اصلی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے، جس سے سامع کو لذت تازہ حاصل ہوتی ہے، اس مطلب کی توضیح کے لئے لسان الغیب کے اس شعر پر غور کرو ؎

یک قصہ بیش نیست غم عشق وایں عجب کز ہر کسے کہ می شنوم نا مکرر است

ایک اور بھی وجہ ہے وہ یہ کہ ایک ہی قصہ کو بار بار نئے نئے اسلوب سے بیان کرتے وقت اصلیت سے اس طرح پردہ اٹھا دیا جاتا ہے کہ داستان سرائی کی لذت کے ساتھ واقعہ کی تصویر بھی سامنے آجائے، مثلاً حضرت ابراہیم اور قصۂ نار، بنی اسرائیل اور مصر سے اخراج وغیرہ وغیرہ جیسا کہ اس کتاب مین ہم آیندہ بیان کرین گے، یہان یہ یاد رکھنا چاہیے، کہ قرآن پاک نے جس طور سے امم سابقہ کے قصص کو حسن انتخاب، خوبی تصرف، اور لطف تکرار کے ساتھ بیان کیا ہے، اس کو دوسری صدی ہجری میں کلبی، سدی، مقاتل، ابن سلیمان وغیرہم نے نظر انداز

کر کے تفسیرون میں اسرائیلیات اور لہو الحدیث داخل کر دین اور قصص قرآنی کے چشمۂ صفا کو ایسا گندلا کر دیا، کہ بعد کو اگرچہ محققین علمائے کرام کے مساعی جمیلہ نے ان کو لغو اور باطل ٹھہرایا، لیکن شوق داستان سرائی اور اعجوبہ پرستی کی جو بلا عام طور سے پھیل گئی تھی، اس کا اثر زائل نہ ہوا، شاہ ولی اللہ صاحب فوز الکبیر مین لکھتے ہین، کہ ایک عارف کا قول ہے کہ جب سے علم تجوید کا رواج ہوا، قرآن کا خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھنا جاتا رہا، اور جب سے مفسرین نے دور دراز کار روایات بیان کین، علم تفسیر نادر کالعدم ہو گیا،

مشاہدات خلیل | درختون سے پھلون کا گرنا سب ہی دیکھتے ہین، لیکن یہ نیوٹن کا دماغ تھا، کہ اس نے ایک مرتبہ باغ میں ایک سیب کو گرتے دیکھ کر کشش کا قانون دریافت کر لیا، بڈھون کا لاٹھی ٹیکے ہوئے بازارون میں چلنا، اور مُردون کی لاشون کا لیجانا سب ہی دیکھتے ہین لیکن یہ گوتم کے دیدہ عبرت بین تھے، جن سے وہ ان دردناک نظارون سے ایسا متاثر ہوا کہ ترک علائق کر کے ریاضات شاقہ کے بعد نروان کی فلسفیانہ راہ نجات کی تعلیم دی،

نظارۂ اجرام سماوی | تارون کا نکلنا اور غائب ہو جانا، چاند کا چمکنا اور پھر چھپ جانا، آفتاب کا طلوع ہونا اور پھر غروب ہو جانا سب ہی دیکھتے ہین، لیکن یہ بت تراش آذر کے نور نظر ابراہیم کی نگاہ دوربین تھی، جس نے اجرام سماوی کی بدلتی ہوئی حالتون سے ایک لازوال اور قائم رہنے والے "معشوق" کی جھلک آسمان کے "پردۂ زنگاری" سے دیکھ کر لا احب الآفلین کا نعرہ مارا، اور توحید کی شمع اس طور سے روشن کی کہ اس کی لو سے ستارون کی طرح بے شمار شمعین روشن ہو گئین، اور قیامت تک روشن رہین گی، ملکوت السمٰوٰت کا یہ مشاہدہ سورہ انعام مین یون مذکور ہے،

فلما جن علیہ الیل راٰ کوکبا پھر جب اندھیرا کر لیا، اس پر رات نے،

قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ....
(انعام - ۹)

دیکھا اوس نے ایک ستارا، بولا یہ ہے رب میرا، پھر جب وہ غائب ہوگیا، تو بولا میں پسند نہیں کرتا غائب ہوجانے والون کو،

اگرچہ مروجہ عہد عتیق کے سفر تکوین میں یہ مشاہدہ مذکور نہین ہے، لیکن یونانی ترجمہ نسخہ سبینہ کی کتاب جوبلی مین بجنسہٖ موجود ہے، کیا عجیب بات ہے کہ مظاہرہ اجرام سماوی کا معنی خیز واقعہ مروجہ توراۃ سے خارج ہے، لیکن "قربانی سوختنی" جس کا یہود مین حضرت ابراہیمؑ کے سیکڑون برس بعد رواج ہوا ہے اس کا قصہ یون درج ہے:

قصہ طیور

"ابراہیمؑ نے خداوند سے کہا کیونکر جانون کہ مین اس ملک کا وارث ہونگا، جواب ملا تین برس کی ایک بچھیا اور تین برس کی بکری اور تین برس کا مینڈھا، اور ایک قمری اور ایک کبوتر کا بچہ میرے واسطے لا اور اس نے اس کے واسطے یہ سب لیا، اور ان کو بیچ سے دو ٹکڑے کیا، اور ہر ایک ٹکڑا اسکے دوسرے ٹکڑے کے مقابل رکھا، مگر پرندون کے ٹکڑے نہ کئے، تب شکاری پرندے ان لاشون پر اترے پر ابرام انھین ہانکا کیا، .... اور ایسا ہوا کہ جب سورج ڈوبا اور اندھیرا ہوگیا، تو ایک تنور جس سے دھوان اٹھتا تھا، اور ایک جلتی مشعل ان ٹکڑون کے بیچ مین سے گذر گئی، اسی دن خداوند نے ابرام سے عہد کرکے کہا کہ مین تیری اولاد کو یہ ملک دونگا، (سفر تکوین باب ۱۵)

اب دیکھو قرآن مجید کس طرح اصلیت سے پردہ اٹھاتا ہے، مگر پہلے اس تمہید کو سمجھ لو، حضرت ابراہیمؑ دو ہزار سال قبل مسیح اپنے وطن اور کلدانان سے راہ خدا مین ہجرت کرکے ملک شام مین مقیم ہوتے ہین، اور مصر بھی تشریف لیجاتے ہین، جیسا کہ سفر تکوین مین مذکور ہے، اس

زمانہ کے مصریون مین حیات بعد الموت کا عقیدہ عجیب طور سے پھیلا تھا، وہ اپنے مردون کی لاشون کو عجیب وغریب طریقہ سے جس کی تشریح درج ذیل ہے، اس طرح محفوظ کرتے تھے، کہ آجتک اہرام مصر کے گورستانون سے بجنسہٖ یہ لاشین جن کو ممی کہتے ہین، ہزارون سال کے بعد نکلتی ہین،

ممی بنانے کا طریقہ

آلات وادویہ کے ذریعہ سے مشاق مصری مردے کے دماغ کو پہلے ناک کے راستہ سے خارج کردیتے تھے، پھر پتھر کے ایک چھرے سے جسم کو ایک جانب شگاف دیکر، دل، جگر، پھیپڑا اور آنتین نکال لیتے تھے، اور خوب صاف کرکے شراب مین بھگو کر خوشبو سے معطر کرتے تھے، پھر گوشت کو ادویہ کے ذریعہ سے تحلیل کردیتے تھے، اور جسم کو خشک کرکے خوشبودار ادویہ بھر کر سی دیتے تھے، پھر ستر دن تک ایک خاص قسم کی دوا مین چھپا دیتے تھے، جس کے بعد غسل دیکر دھجیون سے جن کو ایک قسم کی گوند مین تر کر لیتے تھے، جسم کو اچھی طرح سے لپیٹ دیتے تھے، پھر ایک تابوت مین رکھکر بند کردیتے تھے، اور اس پر دیوتاؤن کی شکلین بناتے تھے، اور دعائین لکھدیتے تھے، اور ڈھکنے پر مردہ کا چہرہ نقش کردیتے تھے، دل، جگر، پھیپڑا اور آنتین جنکو پہلے ہی نکال لیا تھا، ان کو الگ الگ چار گھڑون میں رکھتے تھے، گھڑے پر ایک ایک موکل پرند کا نقش ہوتا تھا، ایک کا سر بشکل انسان، دوسرے کا بشکل سگ تیسرے کا بشکل شغال، اور چوتھے کا بشکل باز، یہ چارون موکل جن کو خا کہتے تھے، گھڑے لئے ہوئے ایک صندوق کے اندر قبر میں رکھدئے جاتے تھے، قدیم مصریون کا عقیدہ تھا، کہ اس طور سے اگر جسم محفوظ کردیا جائے تو روح جس کو "دہ با" کہتے تھے، (سفید اُلو کی شکل کی چڑیا) جین سے رہتی تھی، اور پھر جسم میں حلول کرتی تھی، اور اسائرس دیوتا کی بہشت میں مزے سے رہتے تھی، یہ دیوتا روحون کا بادشاہ ہے، (جیسے ہنود مین یم راج) اس کے ایک دشمن نے اسکے چودہ ٹکڑے کرڈالے تھے، مگر اسکی دیوی آئسس نے سب سے پہلے لاش کو مذکورہ بالا طریقہ سے محفوظ کرلیا تب وہ اپنے بیٹے ہورس کی مدد سے زندہ ہوکر

آسمان پر چلا گیا، اور اب مردون کی روحین اس کے حضور مین پیش ہوتی ہین، اور اپنے محفوظ جسمون سے تعلق رکھتی ہین،

مذکورۂ بالا تمہید، خاص کر چار موکل پرند کو پیش نظر رکھکر اب سنو کہ حضرت ابراہیمؑ نے جس طرح اپنے وطن مین نظارۂ اجرام سماوی سے اپنی ستارہ پرست قوم کو توحید کی تلقین کی تھی، مصریون کی ان عجیب وغریب ممی اور ان کے متعلق عقائد سے متاثر ہو کر خداوند سے یون دعا فرمائی، :

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ	اور یاد کر جب کہا ابراہیم نے اے پروردگار
تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ	میری دکھلا دے مجھکو کہ کیونکر زندہ کریگا تو مردے،
بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ قَالَ فَخُذْ	فرمایا کہ تونے یقین نہین کیا، کہا کیون نہین،
اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ	لیکن اس واسطے چاہتا ہون کہ تسکین
ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ	ہو جائے میرے دل کو،[1] . . . .
جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ	. . . .
سَعْيًا وَّاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ	. . . .
حَكِيْمٌ .	. . . .

. . . . (سورہ البقرہ ۳۵)

حکم ہوتا ہے چار چڑیان لو اور ان کو اپنے سے مانوس کر لو (یعنی ہلا لو) پھر پہاڑ پر الگ الگ ان کو چھوڑ دو پھر ان کو بلاؤ دیکھو وہ تم سے ہلی ہوئی چڑیان مختلف مقامات کوہ سے اڑتی ہوئی جلدی سے تمھارے پاس پہنچ جائین گی، اس مثال سے حضرت ابراہیمؑ کے قلب سلیم کو اطمینان ہو جاتا ہے، اور وہ یقین کر لیتے ہین، کہ روحون کی چڑیان بھی اسی طرح اپنے مالک سے جو ان کو حقیقی طور پر دانہ پانی

[1] معارف: سید صاحب نے ان آیات کا ترجمہ خود نہین کیا تھا اور آگے چل کر اسکے مختلف فیہ معنی کی تعیین فرمائی ہے اسلئے ترجمہ چھوڑ دیا گیا،

دیتا ہے، ہلی ہوتی ہین، اور خواہ وہ جسم خاکی مین ہون، یا عالم بالا مین وہ انھین جب بلائے شوق کے پرون سے اُڑتی ہوئی اس کے پاس چلی آتی ہین، واقعی ایسے پاکیزہ قلوب جو قیل وقال اور توہمات سے محفوظ ہوتے ہین، ان کی طمانیت خاطر کے لئے ایک ادنیٰ سا اشارہ کافی ہوتا ہے، لیکن روایات یہود کا برا ہو، جن کی بنا پر ہماری تفاسیر مین بالعموم قصۂ طیور ممی کی شئون سے بھی زیادہ عجیب نظر آتا ہے، حضرت ابراہیمؑ چار چڑیان لیکر ان کو ذبح کرتے ہین، پھر سب کو ایک مین ملا کر ان کے ٹکڑے پہاڑ پر الگ الگ رکھ آتے ہین، اب ان کو پکارتے ہین، ہر ٹکڑا ہر جزو اڑتا ہوا نظر آتا ہے اور لوٹ پوٹ کر پھر چارون چڑیان زندہ ہو جاتی ہین، اور حضرت ابراہیمؑ کو مردون کے جی اٹھنے کا یقین آجاتا ہے، ! سبحان اللہ یہ وہی سفر تکوین کی قربانی سوختنی کے قصہ سے ملتی جلتی داستان ہے، مگر اس پر غور نہین کیا گیا، کہ توریت مین حضرت ابراہیمؑ نے چوپایوں کو ٹکڑے کیا تھا، چڑیون کو ٹکڑے نہیں کیا تھا، اصل یہ ہے کہ آیت قرآنی فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ کو معنی حضرت ابن عباسؓ سے قطعهن یعنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا منقول ہین لیکن عبیدہ سے اجمعهن یعنی جمع کرنے کے مروی ہین، اسلئے اکثر مفسرین نے اسرائیلیات کی دھن مین ٹکڑے والا قصہ درج کر دیا، اور وہی مقبول عام ہو گیا، ورنہ محققین نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، اور شاہ ولی اللہؒ نے بھی اپنے ترجمۂ فارسی مین "بہم آرمہ" لکھا ہے، امام رازی اپنی تفسیر مین ابو مسلم اصفہانی کا قول یون نقل کرتے ہین، وَالمراد بصرهن اليك الامالة والتمرين على الاجابة یعنی اپنی طرف جھکانا اور ان کو جواب دینے کا خوگر بنانا، اسی لئے شاہ عبد القادر صاحب دہلوی نے اپنے اردو ترجمہ مین چڑیون کو ہلانا لکھا ہے، اور یہی درست ہے،

کیا عجیب بات ہے، کہ مولوی نذیر احمد مرحوم جو اعجوبہ پرستی کی ہنسی اُڑاتے تھے، خود ہی اعجوبہ پرست بن گئے، اور اپنے ترجمۂ قرآن مین "بوٹی بوٹی کر ڈال" لکھ دیا،

مجمع النفائس

از

جناب اقبال انصاری ایم اے ریسرچ اسکالر پی ایچ ڈی لکھنؤ یونیورسٹی،

یہ تذکرہ خان آرزو کی تصنیف ہے جس مین فارسی شعرار کا حال اور کثیر تعداد میں انکے اشعار درج ہین، یہ کتاب دو جلدون مین بقید حروف تہجی مرتب کی گئی ہے، اور اپنی خصوصیات کے باعث آپ اپنی نظیر ہے، اسپرنگر کے خیال کے مطابق کتاب کو تذکرۃ الشعرا نہیں کہہ سکتے، بلکہ اس کو سفینہ کہنا زیادہ موزون ہوگا، غالباً اس کا یہ سبب ہے کہ مصنف نے انتخاب کلام کے مقابلہ مین تحقیق حالات مین کمی کی ہے، اور اکثر شعرار کے کلام کا انتخاب زیادہ ہے، لیکن ان کی زندگی کے حالات کو نظر انداز کردیا ہے، مثلاً میر ابو المعالی، ابو العادی، ابراہیم آذر، ملا بیاضی، فہمی سمرقندی اور قاسمی اردستانی وغیرہ کے کلام کا نمونہ تو پیش کیا گیا ہے، لیکن ان مین سے ہر ایک کے متعلق محض اتنا لکھنے پر اکتفا کی گئی ہے، "احوالش ہیچ معلوم نیست"۔

خان آرزو دیباچہ میں بیان کرتے ہین کہ ابتدا مین ان کا ارادہ تھا کہ اشعار کا انتخاب بیاض یا سفینہ کی صورت مین کر دیا جائے، لیکن پھر خیال ہوا کہ اگر ان شعرا کا کچھ حال بھی لکھدیا جائے تو کتاب اور زیادہ مکمل ہوجائیگی، اس لئے انھون نے کتاب کو تذکرہ کی صورت میں مرتب کیا، چنانچہ لکھتے ہین

"اما بعد می گوید فقیر با بیزبانی خود گرم گفتگو سراج الدین علی آرزو کہ سابق مدتے برین دواوین و تذکرہا و سفائن وغیرہ و بر کتب بزرگان مطالعہ می نمود، ہر چہ خوش آمد... از صفحۂ خاطر

می زدود، روزے در پیش آشنائے شرح این حال بزبان گذشت کہ خواندہ و نخواندہ از نسیان ما برابر گشت، اتفاقاً آن عزیز بعد دو سہ روز سفینہ ضخیمے پیش فقیر آوردہ تکلیف کرد کہ حالا ہر چہ از اشعار اساتذہ انتخاب شود، برین ثبت باید فرمود، ہر چند حرف مذکور خالی الذہن گفتہ بود، لیکن پاس گفتار خود ضرور شد و شروع انتخاب نمود و در سفینۂ مذکور...... قلمی گردید، و درین ہین بخاطر رسید کہ پارہ از حالات آن عزیزان ہم اگر مرقوم شود دور نباشد و چون غرض اصلی نوشتن اشعار دلپسند خود است، نہ نوشتن حالات معنی لہذا در تحقیق آن چندان نکوشیدہ، و در تلاش آن چندان ندویدہ......... درین صورت اگر تفاوتے یا غلطے بنظر خوانندگان در آید، عزیزان منصف خردہ بر من نگیرند و بر پوچ نوشتہ مرا نپذیرند"۔

کتاب کے خاتمہ مین بھی لکھا ہے کہ اس کتاب کی اصلی غرض سفینہ ہے نہ کہ تذکرہ۔

"چون مسودہ این تذکرہ سفینہ است و غرض اصلی نوشتن اشعار پسندیدۂ خود اینہا را قلمی نمود"۔

اس کتاب کی تدوین مین مؤلف کو بہت محنت کرنی پڑی، چنانچہ متوسطین و متاخرین کے تقریباً سو دیوانون کو جن مین پانسو سے لیکر چالیس ہزار اشعار تک تھے، پڑھ کر اس کتاب کو مرتب کیا،

"یک صد دیوان متوسطین و متاخرین کہ بعضے ازانہا کم از چہل ہزار و برخے بیش از پانصد بود انتخاب رسید"۔

آگے لکھتے ہین کہ شعرار کے ترجمہ لکھنے مین انھون نے تقی اوحدی نصر آبادی، کلمات الشعرا اور تحفۂ سامی پر اکتفا کی، اور باوجود کثرت مشاغل اور بغیر کسی معاون کے محض ایک شخص یعنی شیخ مبارک محی الدین سے اس کام کی تکمیل مین مدد ملی،

یہ تذکرہ ۱۱۶۴ھ مین مکمل ہوا، مصنف کے ایک شاگرد بیدار نے قطعۂ تاریخ کہا ہے،

این تذکرۂ سخنوران گیہان — بے مثل چون بنوشت سراج الدین خان

بیدار بآرزو چنین کرد رقم — گلزار خیال اہلِ معنی جہان

۱۱۶۴ھ

مکمل تذکرہ جو دو جلدون مین ہے، ۱۷۳۵ اشعرار کے حالات و انتخابِ کلام پر مشتمل ہے، پہلی جلد مین ۸۳۰ شعرار کا ذکر ہے، جو ابا یزید بسطامی سے شروع ہوتا ہے، اور میر محمد ماہ صداقت پر ختم ہوتا ہے،

دوسری جلد جس کو اس کا تکملہ کہنا چاہئے ۹۰۸ شعرار پر مشتمل ہے، یہ ملا صبائی سے شروع ہوتی اور محمد اشرف یکتا پر ختم ہوتی ہے، کتاب کے آخر مین ایک خاتمہ ہے، جس میں ان شعرار کے کلام کا انتخاب دیدیا ہے، جن کا بیان پہلے ہوچکا ہے، اکثر ان شعرار کا بھی انتخاب ہے، جن کے متعلق مصنف کو کوئی معلومات بہم نہ پہونچ سکین، چنانچہ لکھتے ہین،

"(خاتمہ) در بیان اشعارے کہ نام بعضے از شعرائے آن معلوم نیست و پارۂ کہ معلوم ست از احوال آن اطلاع نیست و برخے ازان عالم است کہ نام و احوال شاعر سابق ذکر شدہ و بسبب مناسبت ابیات دیگر بار بسیار خوش آمدن تعلم دادہ ..... اگر شعر با نام شاعر مکرر واقع شدہ باشد معاف باید فرمود۔"

تذکرہ پر تفصیلی روشنی ڈالنے سے قبل اس بات کو واضح کر دینا ضروری ہے، کہ مجھے مجمع النفائس کا نسخہ پہلے بانکی پور میں ملا تھا، اور اسی کو مطالعہ کرکے میں نے مواد جمع کیا اور مضمون لکھا، لیکن بعد میں ایشیاٹک سوسائٹی بنگال مین دوسرا نسخہ ملا، ایک پنجاب لائبریری میں بھی موجود ہے، ڈاکٹر اسپرنگر نے جو تذکرہ دیکھا تھا، اس میں شعرار کی تعداد ۱۴۹۱ تھی، اور اسی کو سر اوسلے نے بھی لکھا ہے، لیکن مجھے کتاب مین ۱۷۳۵ اشعرا ملے، یعنی اسپرنگر اور اوسلے کی بیان کردہ تعداد سے بقدر ۳۱۶ زیادہ

مجمع النفائس کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دورِ آخر کا نہایت مستند اور ضخیم تذکرہ ہے، اس مین بادشاہون، شاعرون، علماء و مشائخ سب کا ذکر ہے، کہنے کو تو یہ تذکرہ ہے لیکن درحقیقت اس سے اٹھارہوین صدی کے ہندوستان کی بہت کچھ ادبی اور تاریخی حیثیت کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے، خانِ آرزو اورنگزیب کے واقعات اور اس کے سیاسی نقطۂ نظر کو جس وضاحت وصفائی سے بیان کرتا ہے، وہ دوسرے سے ناممکن ہے، کیونکہ وہ بادشاہ کے ساتھ خود دکن گیا تھا، عالمگیر اور بہادر شاہ کے بیٹون کی خانہ جنگی، فرخ سیر کی تخت نشینی اور قتل کی تفصیلات جس وثوق سے وہ لکھ سکتا ہے، دوسرا نہ لکھ سکے گا، اس لئے کہ فرخ سیر کے زمانہ مین وہ گوالیار کی وقائع نویسی کی خدمت پر مامور تھا، پھر محمد شاہ کے زمانہ میں ایرانی و غیر ایرانی نزاع، ملک کی روز افزون پریشانی، بیرونی حملے اور طوائف الملوکی کے حالات کو جس یقین کے ساتھ وہ لکھے گا، اور کسی سے ممکن نہیں، اس لئے کہ وہ محمد شاہ کے عہد مین ملک الشعرار تھا، اس تذکرہ کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ زوال مغلیہ کے وقت فارسی زبان پر بھی بہت کچھ انحطاط طاری ہوچکا تھا، تاہم ہندوستانی ادبا اسے سنبھالے ہوئے تھے، اور مشاعرون اور ادبی صحبتون کے ذریعہ اسے مضبوط بنانے مین مشغول تھے، ہندو مسلمان آپس مین میل جول سے زندگی بسر کرتے تھے، اور ہندو ادبی صحبتون مین مسلمانون کے دوش بدوش رہتے تھے، عام شرفا کے لئے تواضع و خودداری واجبات مین سے تھی، وہ سپہ گری کو اپنا شیوہ سمجھتے تھے اس لئے اٹھارہوین صدی جیسے پریشانی کے زمانہ مین بھی ادبیات میں کوئی کمی نہیں ہوئی، البتہ نوعیت ضرور بدل گئی، اور اسے بھی زمانہ اور مربیون کے فرق کا نتیجہ سمجھنا چاہئے، اس میں شک نہیں کہ اس صدی مین کوئی ابو الفضل، فیضی اور ٹوڈرمل نہیں پیدا ہوا، لیکن خانِ آرزو، غلام علی آزاد، اور انند رام مخلص جیسے باکمال پیدا ہوئے جن کی نظیر کمتر مل سکے گی۔

اس تمہید کے بعد تذکرہ کے بعض اہم پہلوؤن پر تبصرہ کیا جاتا ہے،

(۱) صاحب تذکرہ کے معاصرین

اس لفظ کو اگر ذرا وسعت دیجائے تو میرزا محمد افضل سرخوش، بیدل اور میر عبد الجلیل بلگرامی بھی خانِ آرزو کے ہمعصروں میں آجاتے ہیں، حالانکہ ان حضرات کا بڑھاپا تھا، اور خانِ آرزو کی جوانی، چنانچہ وہ ان لوگوں کا نام نہایت ادب و احترام سے لیتا ہے، ان سے اپنی ملاقات اور اپنے استفادہ کے حالات بیان کرتا ہے، سرخوش کے ضمن میں ہے کہ ایک مرتبہ خانِ آرزو اُن سے ملنے گیا، اس وقت سرخوش کی بصارت زائل ہو چکی تھی، اسلئے انھوں نے اپنی بیاض اپنے بیٹے فضل اللہ کو شعر سنانے کیلئے دی، اس پر خانِ آرزو نے یہ پر لطف بات کہی، کہ بیٹے کو جو نورِ چشم کہتے ہیں، اسکے یہی معنی ہیں، سرخوش نے بھی خانِ آرزو سے شعر سنانے کی فرمایش کی، انھوں نے پاس ادب سے عذر کیا، لیکن اصرار کرنے پر ایک غزل سنائی، جس کا ایک شعر یہ ہے،

افتادگیست مایۂ نشو و نمای من — نخلم چو گرد باد ز خاک آب میخورد

سرخوش اُسے سُنکر بہت محظوظ ہوئے،

خانِ آرزو میر عبد الجلیل بلگرامی اور بیدل سے استفادہ کرتا تھا، اور بیدل کے تصرفات کا قدردان تھا، اس کے اصل معاصرین، والہ، آزاد، خوشگو، میر محمد افضل ثابت، سعد اللہ گلشن، علی قلی خان وداد، قزلباش خان امید، میر شمس الدین فقیر، اور شیخ علی حزین وغیرہ ہیں، ان سب کا نام وہ عزت و احترام سے لیتا ہے، ان سے خلوص و عقیدت کا اظہار کرتا ہے، اور ان میں جو اوصاف مابہ الامتیاز ہیں، انھیں واضح کرتا ہے، چنانچہ ثابت کو "سید والانسب ذوفضل عالی حسب" کے القاب سے یاد کرتا ہے، اور لکھتا ہے، کہ اُن میں اور خانِ آرزو میں اگرچہ کبھی کبھی نزاع ہو جایا کرتی تھی، لیکن سچ یہ ہے کہ ان کی مثال اب ناممکن ہے، اُن کے فضل و کمال کا اس طرح اظہار کرتا ہے، کہ "میر ثابت کسب فضائل نمودہ، علم شاعری در دار الخلافہ شاہجہان آباد دہلی افراختہ، اگرچہ غزل گفتہ اما آنچہ گفتہ نہایت متانت دارد"۔

میر غلام علی آزاد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ خانِ آرزو سے اخلاص غائبانہ رکھتے ہیں، آگے چل کر انکی شاعری کے متعلق لکھتا ہے "مشق سخنش رسیدہ تلاشہاے بالادست دارد"۔

خانِ آرزو کا یہ کمال انصاف ہے، کہ وہ کسی کے متعلق ضرورت سے زیادہ نہیں لکھتا، بڑے سے بڑے مضمون کو چند سطروں میں نہایت سادہ عبارت میں ادا کر دیتا ہے، اپنے ایک شاگرد خوشگو کے متعلق لکھتا ہے، کہ "شعر را بسیار خوب می گوید، و بعض نازکی مضمون بدست او افتادہ"۔

حاکم لاہوری کے متعلق جو ملا آفرین لاہوری کے شاگرد تھے اور خانِ آرزو سے بہت اعتقاد رکھتے تھے، لکھا ہے کہ "خیلے مشقش رسیدہ، و تلاش معنی تازہ دارد، چند سال پیش ازین دیوان خود را کہ قریب چہار ہزار بیت باشد بنظر فقیر در آوردہ بسیار مربوط و مضبوط گفتہ در عالم اخلاص و پاس آشنائی و حسن اخلاق و تمامی وفاق یگانۂ روزگار است، چند مرتبہ وارد شاہجہان آباد گشتہ، این مرتبہ کہ بسبب ظلم صوبہ دار پنجاب و ضبط جاگیرہاے مردم درین جا رسیدہ نیز ملاقات با حقیر می نماید، عاشق سخنست، خدایش سلامت دارد"۔

علی حزین حد سے زیادہ خود پسند اور نازک مزاج تھے، ان کے متعلق یہ رائے ہے:۔

"کاسہ لیسان ہند اعتقادے بیش از بیش در خدمت این عزیز دارند، او خود ہم مثل کلیم و سلیم وغیرہا را مطلق وجود نمی گذارد"۔

خانِ آرزو خود نہایت منکسر مزاج اور سنجیدہ تھا، چنانچہ تذکرہ میں اپنے لئے فقیر، ہیچمدان، احقر اور عاجز کے علاوہ اور کوئی لفظ استعمال نہیں کرتا، آفرین لاہوری کے ذکر میں ہے کہ وہ خانِ آرزو سے انتہائی ربط و اخلاص رکھتے تھے، اور اس کو امامِ سخنوران کہا کرتے تھے، گو واقعہ کے اعتبار سے یہ سچ ہے لیکن خانِ آرزو خود اپنے متعلق لکھتا ہے، کہ "بپایۂ مقتداے ائمۂ این فن نرسیدہ ام"

قزلباش خان امید بھی خانِ آرزو کے ہمعصر ہیں، اور نہایت منصف اور تعصب سے بری ہیں،

جس زمانہ مین خانِ آرزو نے حزین کے اشعار پر اعتراضات کئے، اور تنبیہ الغافلین لکھی، لوگون نے آمید سے کہا، کہ خان نے شیخ پر اعتراضات کئے ہین، آمید نے کہا کہ شیخ مسلم الثبوت زباندان ہین، لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ خانِ آرزو کے اعتراضات بھی بہت کچھ وزن رکھتے ہین، والہ داغستانی نے اپنے تذکرہ ریاض الشعراء مین تنبیہ الغافلین کا معتد بہ حصہ نقل کیا ہے، اور تقریبًا ۶۰ شعرون پر اعتراضات کو صحیح قرار دیا ہے، خانِ آرزو نے اپنے ہمعصرون مین شاہ گلشن، محمد مقیم آزاد، نوازش خان طالع، آفرین لاہوری، زاہد علی خان سنجا اور والہ داغستانی وغیرہ معاصرین کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ معاصرین مین خانِ آرزو صدر کی حیثیت رکھتے تھے، اور سب انکی عزت و احترام کرتے، اور ان کی زباندانی کے قائل تھے، خوشگو بھی خانِ آرزو کے دوران قیامِ اکبرآباد کی نسبت لکھتا ہے کہ

"شاہ گلشن، مرزا حاتم، عصمت اللہ کامل، محمد مقیم اور ناصر علی کے صاحبزادہ علی عظیم سے صحبت رہا کرتی تھی، اور خانِ آرزو لطف اٹھایا کرتے تھے،

(سفینۂ خوشگو قلمی بانکی پور لائبریری)

اساتذہ کے کلام پر اصلاحین مجمع النفائس کی قیمت عام تذکرون سے اس حیثیت سے بہت زیادہ ہے، کہ اس مین معاصرین اور غیر معاصرین کے کلام پر خانِ آرزو نے اصلاحین بھی دی ہین، اور بعض جگہ اعتراضات بھی کئے ہین، گو عنوانِ اعتراض عاجزانہ ہے، چند اصلاحیں ملاحظہ ہون،

ثابت ؎

تکیہ بر سرو زدی مست چو رفتی دِ باغ قامتت کرد دو بالا مئے رعنائی را

خانِ آرزو کے خیال مین پہلا مصرع اگر یون ہوتا تو بہتر تھا، ع

تکیہ بر سرو زدی مست چو رفتی در باغ[1]

[1] معارف ان دونون مصرعون میں تو کوئی فرق نہیں ہے،

ایک دوسری جگہ ثابت کے اس شعر پر ؎

با ما اے بیوفا نسازی با ما چہ کہ با خدا نسازی

یہ اصلاح دی ہے، ع با ما بت بیوفا نسازی،

مختلف اصلاحیں :-

سرخوش :

صاحبِ جوہر رفیقِ صاحبِ جوہر شود استخوانِ ماہی آخر دستۂ خنجر شود

خانِ آرزو، "این مصرع بگمان فقیر آرزو بہتر است" ع

عاقبت دندانِ ماہی دستۂ خنجر شود

میر محمد علی رائج ؎

مگو ز بے سر و پایان سرشتہ اندمرا کتاب مازم و ناخوان نوشتہ اندمرا

خانِ آرزو :- "فقیر آرزو مصرع اول را چنین بہتر می داند" ع

مگو کہ بے سر و بے پا سرشتہ اندمرا

قاسم بیگ :-

چو بحشر گہ درآئی ہمہ ہیچو طفل مکتب فگنند نامہ ہا از کف از پئے تماشا

خانِ آرزو کے خیال مین "بحشر گہ درآئی" کے بجاے، "چو بحشر اندر آئی" زیادہ مناسب ہے،

ریاضی سمرقندی :-

پر از کفر است عالم زان دو چشم و زلف و خال و خط بدین بخست پنداری بناے نامسلمانی

خانِ آرزو کہتے ہین، کہ جس طرح چشم "دوتا" ہوتی ہے، اسی طرح زلف بھی "دوتا" ہوتی ہے، ایسی صورت مین اگر بجاے زلف قد ہوتا تو بہتر تھا،

محمد اسحاق شوکت :-

گرفتارِ محبت بلبلِ ما را توان گفتن — کہ از خاکسترش صیاد رنگِ خانہ می بازد

خانِ آرزو :- "فقیر آرزو گوید بجائے بلبل، قمری مناسب است"

شیفتہ اے اثر ؎

چراغے از پئے حاجت زلالہ روشن کن — بوستان کہ قدمگاہِ سبز پوشان است

خانِ آرزو کے خیال مین بجائے لالہ کے جام زیادہ مناسب ہے، ع

چراغے از پئے حاجت ز جام روشن کن

راقم کی نظر سے بھی ایک جگہ لالہ کے بجائے جام ہی گذرا ہے، جس سے شعر مین ایک خاص کیفیت پیدا ہو گئی ہے، جو لالہ مین نہین ہے،

قاآنی کہتا ہے ؎

درین بہار ہر کسے ہوائے راغ وارد — بیاد باغ طلعتے خیالِ باغ دارد

بہ تیرہ سب ز جام مے بکف چراغ دارد — ہمین دلِ نست و بس کہ درد و داغ دارد

جگر چو لالہ پُر ز خون ز عشق گلعذار ہا

ناقدانہ اعتراضات اب خانِ آرزو کے چند ناقدانہ اعتراضات کو ملاحظہ فرمائیے، جو انھون نے ایرانی اور غیر ایرانی شعرا، پر کئے ہین، ان سے خانِ آرزو کے مبلغِ علم کا اندازہ ہوتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی کے مقلد نہ تھے، بلکہ خود مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے تنقیدی حیثیت سے بھی ان کا تذکرہ ایک خاص خصوصیت اور امتیاز رکھتا ہے، کہ وہ تذکرہ کے ساتھ نقادی کی کتاب بھی ہے، ورنہ کلمات الشعرا، تحفۂ سامی، تذکرۂ طاہر، تذکرۂ خوشگو، خزانۂ عامرہ، سرو آزاد، ید بیضا، ریاض الشعرا، وغیرہ تنقیدی پہلو سے بالکل خالی ہین، پھر تنقید مین عدل کا دامن مؤلف کے ہاتھ سے

نہین چھوٹا ہے، وہ کلام کی خوبی کا اعتراف کرتے ہین، اور اسکے نقائص پر تنقید کرتے ہین، خواہ کسی کا کلام ہو، اسی کے ساتھ ان نامعقول اعتراضون کا جو اساتذۂ ایران پر کئے گئے ہین رد بھی کرتے ہین جو ایک نقاد کا فرض ہے، ان سب کی مثالین ملاحظہ ہون،

حاجی جعفر خان تبریزی، ؎

وقتِ رفتن شرر ے گر بجہد از نعلش — آن شرر ور گہ رجعت بود ش داغ کفل

اعتراضِ آرزو :-

"فقیر آرزو گوید کہ مضمون این قطعہ ماخوذ است از قطعہ ملا عرفی کہ این بیت از آنست :-

قطرہا کش دم رفتن چکد از پیشانی — شبنم آساش نشیند گہ رجعت بکفل،

"و این قسم از حد نوعے از سرقہ است"

ذوقی آردستانی :

از بخت بدم امید نومید شود — گر بنشانم درختِ گل بید شود

بر کلبۂ تار من نیفتد پر تو، — گر جرمِ فلک تمام خورشید شود

اعتراضِ آرزو :-

"فقیر آرزو گوید کہ در بیت اول این رباعی مقابلۂ گل با بید مناسب نیست، چہ مقابلۂ بید درخت ثمر دار باید،"

عماد الدین فقیہ کرمانی ؎

دل عکسِ رخِ خوب تو در آب چو دید — فریاد بر آورد کہ ماہے ماہے،

اعتراضِ آرزو :- خان آرزو کہتے ہین کہ اس کا لطف مبتذل ہے، امیر خسرو نے خوب کہا ہے ؎

ماہ من گر بتماشا بلبِ بحر آئی — ماہیان شور برارند کہ ماہے ماہے

کمال خجند ؂

چوں بنظارہ آمدم روز شکار دلبران   دام دلِ سبکتگین زلفِ ایاز یافتم

اعتراضِ آرزو :-

"فقیر آرزو گوید کہ لفظ سبکتگین اینجا بیجا واقع شدہ"،

حقیقت بھی یہ ہے کہ ایاز کا تعلق محمود سے ہے نہ کہ سبکتگین سے اور اگر سبکتگین سے قارئین
کی نظر محمود کی طرف مبذول کرانی ہے، تو یہ بات بہت دور از کار ہوگی،

میرزا گرامی ؂

خواجہ بے فرزند اگر باشد غلامش وارث است   ہر چہ دادہ حق تعالیٰ از برائے بندہ است

اعتراضِ آرزو ؂

"کلیۂ مصرعہ اول مورد نظر است چہ غلام وارث نیست معہذا سوائے فرزند وارثان
بسیار اند، و نیز معنی آن نزدیک بمضمون رباعی استادیست کہ در منقبت گفتہ" ؂

بے فرزندے کہ خانہ زادے دارد   تنگ نیست کہ باشدش بجائے فرزند

مخلصائے کاشی ؂

نگاہ گاہ گاہے میکنی ہر دم بسوی من   ندانم از سر لطف است یا از کج ادائیہا

اعتراضِ آرزو :-

"لفظ گاہ گاہے" و "ہر دم" باہم چندان مناسبت ندارد"،

پھر مخلص کاشی ہی کے دوسرے شعر پر یوں اعتراض کرتے ہیں ؂

گوشۂ ابروے تیغ ذہن شگافت   بیک اشارہ کند جسم را جدا ز ہیولیٰ

اعتراضِ آرزو :-

"فقیر آرزو گوید کہ جسم را مقابلہ با ہیولیٰ نیست، مقابل آن صورت است و صورت چندین
نوع است صورت جسمی و صورت شخصی و صورت نوعی پس بہتر چنین است ع

بیک اشارہ نماید جدا صور ز ہیولیٰ

بعض مقامات پر اعتراض کا پہلو طنزیہ ہے، جو متانت و سنجیدگی، اور مزاح کا مرکب ہے،
یہ طریقہ خانِ آرزو کے یہاں بہت شاذ ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بغیر طنز کے اعتراض کی اصلی کیفیت
کا اندازہ نہ ہو سکتا، دو مثالیں ملاحظہ ہوں،

(۱) حیدر کلوخ ؂

بجاں وارند مارا از ملامت ہر طرف خلقے   چہ خوش بودے کہ ناشناختے کس کس مارا

اس شعر میں "ناشناختے" بالکل غلط ہے، خانِ آرزو کو اسی پر اعتراض ہے کہ

"ناشناختے عبارت تازہ است، چوں عزیزان او را مسلم داشتہ اند، شاید روزمرہ باشد"

(۲) تازگی پر بھی اعتراض ہے، تازگی ایک ایرانی شاعر ہے، جس نے عہد کیا تھا، کہ نظم کی
تمام کتابوں کا جواب لکھے، چنانچہ فردوسی کے شاہنامہ کا جواب جو اس نے تیس برس میں کہا
تھا، تازگی نے ایک ماہ میں کہا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے یہاں بکثرت نقائص موجود ہیں، "در شعر او
ردیف و قافیہ و معنی غلط بسیار است"۔

اس کے بعد تازگی کے شاہنامہ سے چند شعر نقل کئے ہیں جس سے خانِ آرزو کے قول کی تصدیق
ہوتی ہے، تازگی ؂

گرفتند تیر و کمان مردمان   فتادند دریکدگر چون دواں

ہمہ پردلاں لرزہ زن ہمچو بید   کہ ناگہ یکے ببر پر دل رسید

ابر میمنہ تاخت مانند فیل   بدستش یکے تیر مانند سیل

کلاہ وزرہ بر تنش چون سبد — سرش ہچو بیبے درون سبد

جوانیان یکے سرکشِ نامدار — درونش پر از تیر چون تیر مار

اناقہ بفرقش چو دم رباہ — ابر فرق اویک کیانی کلاہ

ان تمام اشعار مین قافیہ ورد یف کی غلطیان موجود ہین، پھر آگے لکھتا ہے،:-

"فقیر گوید ہرگاہ احوالِ زباندان چنین باشد واے بحال شعراے ملک دیگر کہ بفارسی سخن راند درین صورت اگر ہزار غلط از ہندی واقع شود برابر یک غلط اہلِ زبان نبود، درین وقت مثل این اشعار تازگی راجہ جگل کشور وکیل ناظم بنگالہ میگوید و در پر گوئی، وخوشگوئی داد سخنوری دادہ وی دبد ورسم زندگی را تازہ کردہ ومیکند،.....''

ان تمام اعتراضات کے باوجود جہان وہ کسی کی جانب سے کوئی نامعقول اعتراض دیکھتے ہین، اس کا پورا رد کرتے ہین، مثلاً شاہ رضوان محمد حسین کے دیوان سے لوگون نے یہ شعر نکالا:

مگر ساقی کمر در خدمتِ میخانہ می بندد — کہ چون نرگس بہر انگشت خود پیمانہ می بندد

اور اسی مضمون کا شعر حاجی محمد جان قدسی کا پیش کیا،

یک جام خمارم نبرد کاش چو نرگس — بودے بہر انگشت مرا ساغرِ دیگر

ظاہر ہے کہ ان دونون شعرون مین سرقہ ہے، خانِ آرزو کہتے ہین، کہ یہ محض اتفاق ہے،

سید حسین خالص کا بھی اسی مضمون کا شعر موجود ہے، ؎

بہر انگشتم چو نرگس کاسۂ دریوزہ است — کم بجرصِ من گدائے ہست در میخانہ ہا

اور لطف یہ ہے کہ محمد اسحاق شوکت نے بھی اسی مضمون کو باندھا ہے، ع

کہ چون نرگس بہر انگشتِ خود پیمانہ دارم

اکثر مضمون مین توارد ہو جاتا ہے، چنانچہ آذری وہلالی دونون کے یہان ایک ہی مصرع ہے،

ع بگذار کہ در روے تو بینیم خدا را

اور اسی طرح آصف خان جعفر اور ملا نوعی دونون کے یہان ایک ہی مصرعہ ہے، ع

کہ یکتائی نہ زیبد جز خدا را

ان باتون سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو شخص قادر الکلام ہے، وہ کبھی سرقہ نہیں کر سکتا، جیسا کہ خانِ آرزو خود بھی کہتا ہے،

"کسیکہ خود قادر بر اختراع معنی وسخن تواند بود، چرا بہ بستن معنی دیگر کہ کم از میتہ خوردن نیست داغ بدنامی بر روے اعتبار خود خواہد نہاد۔''

بعض دوسری خصوصیات خانِ آرزو نے اس تذکرہ مین ان تمام چیزون کو جمع کر دیا ہے، جن سے فطرتِ انسان کو لگاؤ ہے، چنانچہ اس مین بکثرت نقلین، حکایات اور لطائف ہین، اور اس کا التزام رکھا ہے، کہ کسی شاعر کے متعلق جو مشہور لطیفے اور حکایتین ہین، ان کو ضرور بیان کیا ہے، اس سے اس تذکرہ مین ناول کا لطف پیدا ہو گیا ہے، اور اس کے پڑھنے مین طبیعت نہیں گھبراتی، بلکہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے، یہ خصوصیت کسی اور تذکرہ مین نہین، چند مثالین ملاحظہ ہون،

(۱) نعمت خان عالی کے متعلق لکھتا ہے، کہ وہ نہایت ظریف وشوخ تھا، ہجو گوئی مین اپنا جواب نہین رکھتا تھا، لیکن اس کے باعث کبھی سخت خفت بھی اٹھاتا تھا، چنانچہ ایک صحبت مین ایک ظریف نے کہا کہ آپ تو واجب التعظیم ہین، عالی نے پوچھا کیون؟ ظریف نے جواب دیا، اسوجہ سے کہ آپ حاجی ہین، عالی نے کہا مین نے کبھی بھی حج نہین کیا، حاجی کیسے ہو گیا، ظریف نے کہا تو آپ ہاجی (ہا ہوز سے) ہونگے (یعنی ہجو گو) عالی یہ سنکر بہت خفیف ہوا۔

(۳) چندر بھان برہمن نے شاہجہان کے سامنے یہ شعر پڑھا،

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار — بکعبہ بردم وبازش برہمن آوردم

شاہجہان نے اسے سزا دینی چاہی، افضل خان نے کہا کہ حضور شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا یہ شعر اسی کے لئے کہا گیا ہے،

خر عیسیٰ اگر بمکہ برند　　زان بیاید ہنوز خر باشد

(۳) ملا ناظری نابینا ہو گئے تھے، ایک دفعہ شیدا سے ملاقات کرنے گئے، اور یہ شعر جو اپنی بیوی کے متعلق کہا تھا، پڑھا،

خواہ با ناظری وخواہ بہ بیگانہ نشین　　من ہمین شرم ترا بر تو نگہبان کردم

شیدا نے یہ شعر سنکر کہا، "اندھے کی جورو کا خدا حافظ"۔

(۴) شیدا نے شراب کی تعریف میں یہ شعر کہا تھا، ؎

چیست دانی بادۂ گلگون مصفا جوہرے　　حسن را پروردگارے عشق را پیغمبرے

عاقل خان رازی نے اس کے جواب اور شراب کی مذمت میں چند شعر کہے،

چیست دانی بادہ ...... یاورے　　جہل را پروردگارے فسق را پیغمبرے

حسن را عصمت گداز و عشق را شہوت طراز　　در طریقت رہزنے و در طبیعت رہبرے

نفس را چون جان مساعد روح را چون نفس ضد　　نزد کافر مومنے و نزد مومن کافرے

آتش حرص و ہوس از شعلۂ او قطرہ زن　　ہست در صورت چو آبے و بمعنی آذرے

(۵) ایک مجلس میں کچھ فضلا جمع تھے، شعر و شاعری کا تذکرہ چھڑا، اور صائب و کلیم کا موازنہ ہوا کہ ان مین کون بہتر ہے، جلسہ مین علی حزین بھی موجود تھے، انھون نے کلیم کو صائب پر ترجیح دی، بات کسی طرح طے نہ ہوتی تھی، آخر مین دیوان حافظ سے فال نکالی گئی، یہ مصرع نکلا: ع

کے شعر تر انگیزد خاطر کہ حزین باشد

جو علی حزین کے خلاف تھا، اسے دیکھکر لوگ بہت محظوظ ہوئے، خان آرزو کو معلوم ہوا تو انھون

نے کہا کہ "سبحان اللہ این از نوادر اتفاقات است، بلکہ از جناب لسان الغیب قدس سرہ احقاق است"

(۷) منّی کلال کے ذکر مین ایک لطیفہ ہے، کلال ہندی میں شراب فروش کو کہتے ہین، اکبر کے زمانہ سے دستور تھا کہ طبقۂ کلال مین سے بھی ایک شخص کسی ایک شاہی دروازے کا دربان ہوا کرتا تھا، ایک کلال دربان نے اپنا تخلص منّی رکھا، ایک دفعہ نورجہان نے جہانگیر سے ذکر کیا کہ فلان کلال شعر خوب کہتا ہے، اور منّی تخلص کرتا ہے، بادشاہ نے کہا سبحان اللہ شعر گوئی ایسی آسان ہو گئی، کہ ذلیل طبقون میں بھی اس کا شوق پیدا ہو گیا، ملکہ نے کلال کو بلوا کر شعر سنوائے، منّی نے بے تامل یہ شعر پڑھا، ؎

منّی بگمر یہ ہمرے دار دا سے نصیحت گر　　کنارہ گیر کہ امروز روز طوفان است

بادشاہ ہنسے اور کہا "ما نگفتہ بودیم کہ این را بشاعری چہ نسبت است، درین جا ہم ہمان شیوۂ دورباش را کہ پیشۂ اوست مراعات کردہ" ایک مرتبہ پھر بادشاہ نے اوس سے شعر سنے، اس نے یہ شعر پڑھا،

من می روم و برق زنان شعلۂ آہم　　اے ہم نفسان دور شوید از سر راہم

بادشاہ نے مسکرا کر کہا دیکھو پھر اپنی فطرت پر آگیا، بھئی چنڈول کو شاعری سے کیا نسبت؟

(۸) لامعی کے رنگ مین خان آرزو نے ایک رُباعی کہی جس مین انھون نے چار پھول، چار پیغمبرون کے نام، چار اعضاے بدن اور چار عناصر کو نظم کیا ہے،

گلنار دو آتش چو عذار ابراہیم　　در خاک چمن لالہ بود دست کلیم

افسردہ قدم چو خضر سبزہ لب آب　　نسرین چو دہان عیسیٰ از فیض نسیم

(۹) حکیم کاظم نے رزم کی تعریف میں یہ شعر کہے تھے، ؎

فشردند پا از دو سر مرد وار　　چو نفتے کہ در سنگ گیرد قرار

بہر کس رسید ندار اسیف وار　　یکے را دو تا بلکہ کردند چار،

[1] معارف: کلالون کی متعلق دربانی اور چاوشی کی خدمت ہوتی تھی، جو آگے آگے دور باش کی صدا لگاتے چلتے تھے،

خان آرزو نے ازراہ شوخی اپنے احول معشوق کی تعریف میں چند شعر کہے، اور کاظم کے اشعار سے تضمین کی،

بوصف بتِ احولِ خویشتن　　اگر گوش داری بگویم سخن،

چو نازش پئے قتل عالم ودید　　نگاہش زبے تیغ برکف رسید

بہر جا کہ شمشیر او کار کرد　　یکے را دو کرد و دو را چار کرد

ان لطیفوں اور نقلوں نے کتاب کو دلچسپ تو بنا ہی دیا ہے، اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ خان آرزو میں کافی شوخی وظرافت تھی، اس خصوصیت میں بھی مجمع النفائس دوسرے تذکروں سے ممتاز ہے عموماً تذکروں میں شعرا کے خشک حالات ہوتے ہیں، ان میں شوخی وظرافت کی چاشنی نہیں ملتی، خان آرزو کے بعد ان کے شاگرد میر تقی میر کے یہاں یہ رنگ موجود ہے،

(۵) مجمع النفائس کی ایک خوبی یہ بھی ہے، کہ اس میں علما، ومشائخ، بادشاہوں اور امیروں کا بھی ذکر ہے، اور ان کا کلام بھی ملتا ہے، خان آرزو علما، ومشائخ کا نام نہایت عزت و احترام سے لیتا ہے، اپنے ذکر میں جس عقیدت و اخلاص کے ساتھ شیخ محمد غوث گوالیاری، اور حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کا نام لیا ہے وہ اسکے پاس ادب کا نمونہ ہے، خواجہ محمد ناصر عندلیب، خواجہ معین الدین چشتی اور جامی اور عطار وغیرہ تمام بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کے نام میں بھی احترام ملحوظ ہے، اساتذہ کا نام بھی تعظیم وتکریم سے لیتا ہے، مثلاً اوستاد ابوالقاسم منصور فردوسی استاد سراج الدین قمری، استاد لامعی ملقب بہ بحر المعالی، استاد ملک قمی، استاد محمد قلی سلیم اور نظامی گنجوی کے نام اس طرح لکھتا ہے،

ملک الکلام دراری سخن را نظام نظامی گنجوی وہو ابو محمد نظام الدین احمد ابو یوسف بن موید المطرزی"۔

(۶) ایرانی وہندوستانی امیروں وبادشاہوں کے سیاسی حالات ہمیں تاریخ میں ملجاتے ہیں لیکن ان کی ادبی دلچسپیوں کا حال بہت کم ان سے معلوم ہوتا ہے، مثلاً بیرم خان کو ہم ایک مدبر کی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن وہ ادیب وشاعر بھی تھا، یہ نہیں معلوم، خان آرزو نے اس کے شعر دیئے ہیں، اور شاعری پر تنقید وتبصرہ بھی کیا ہے، لکھتا ہے:-

"خیلے صاحب جوہر مردے بود، خصوصاً در سپاہگری دقتش بپردازی نکتہ دانی او از قصیدہ کہ در منقبت گفتہ ومطلعش اینست ظاہر است، ع

شہے کہ بگذرد از نہ سپہر افسرِ او　　اگر غلام علی نیست خاک بر سرِ او

اسی طرح خان اعظم مرزا کوکہ شہنشاہ اکبر سلطان ابراہیم مرزا جاہی تخلص، بایسنغر، ظہیر الدین بابر بادشاہ، شاہ طہماسپ صفوی، کامران مرزا اور ہمایوں بادشاہ کا ذکر اپنے تذکرہ میں کیا ہے، اور ہر ایک کا کلام دیا ہے، اور اس پر رائے ظاہر کی ہے، سام مرزا بن شاہ اسمٰعیل صفوی کے متعلق لکھتا ہے، کہ وہ نہایت جوہر شناس اور فضل ودانش میں ممتاز تھا، تعصب وتہتک سے جو صفویوں کا شعار تھا بری تھا، پھر آگے چل کر لکھتا ہے۔

"فقیر آرزو گوید کہ ہیچ شاہزادہ ازین خانوادہ بدین حیثیت وجامعیت برنخاستہ، در شعر وانشا بدرجہ عالی رسیدہ، در فضل ودانش ومرتبہ وقدر شناسی مثل اُوے شاید دیگرے ہم نرسیدہ باشد ازین سلسلہ چہ سخن از ہمہ سلاسل سلاطین است، چہ اکثر بادشاہان این سلسلہ متعصب ترد متہتک تر از سنیان بلخ بودند، چنانچہ بر متتبع تواریخ ظاہر است واین معنی از جناب سام مرزا خیلے غریب است زیرا کہ جوانی وسلطنت وفضل وکمال آدمی را سیہ مست غفلت میگرداند"۔

اس کے بعد سامی کے منتخب اشعار دئیے ہیں جنمیں سے بعض نقل کئے جاتے ہیں، یہ اشعار خود بڑی حد تک خان آرزو کے تبصرہ کی تصدیق کریں گے،

آزردہ شد از چشم من امشب کفِ پایت | درد اکہ کفِ پاے تراچشم رسید است
اے واے بر آن عاشق محروم کہ ہرگز | نے باتو سخن گفتہ ونے از تو شنید است

حاصلِ عمر نثار رہ یارے کردم | شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

سامی نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی، کہ اسکی لوحِ مزار پر یہ عبارت کندہ کی جائے،
اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِیْعًا، اور قبر کے دونون جانب اسکی یہ دو رباعیان لکھی جائین،

سامی زغم زمانہ بے غم می باش | بامحنت و درد عشق ہمدم می باش
چون موجبِ شادی حقیقت مرگ است | گر مرگ رسد تو شاد و خرم می باش

سامی علم مراد افراشتہ گیر | چرخ فلکت بفرق برداشتہ گیر
کوتاہ سخن تمام روے زمین | آوردہ بدست و باز بگذاشتہ گیر (باقی)

تلخیص و تبصرہ

عربی زبان کے جدید رجحانات

اسلامک کلچر بابت جولائی ۱۹۴۱ء (حیدرآباد دکن) مین عربی زبان کے جدید رجحانات پر ایک پر از معلومات مقالہ شائع ہوا ہے، ذیل مین معارف کے ناظرین کے لئے اسکی تلخیص درج کیجاتی ہے:

مصر مین عربی زبان کے جدید رجحانات کا آغاز ۱۷۹۸ء کے فرانسیسی حملہ کے بعد سے ہوا، اس حملہ نے مشرق و مغرب کو آپس مین ملنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع دیا، جس سے یورپ کی طرح مصر میں بھی تعلیم کی اشاعت ہونے لگی، اور محمد علی کبیر نے یورپین طرز کے بہت سے اسکول جاری کئے، رفتہ رفتہ ان کی تعداد بڑھنے لگی، چنانچہ ۱۹۰۶ء میں گاؤن کے مدارس کے علاوہ پانچ سو سے زیادہ اسکول ہو گئے، جن مین ۹۲ ہزار طلبہ تعلیم پاتے تھے ان مین بیس ہزار لڑکیان تھین، پھر سعد زاغلول پاشا کی وزارتِ تعلیم کے دور مین تعلیم کی اشاعت مین اور زیادہ ترقی ہوئی،

شام کے علاوہ اور دوسرے اسلامی ممالک مین تعلیم کی اشاعت دیر سے شروع ہوئی، سب سے پہلے محمد علی کے لڑکے ابراہیم نے شام میں ابتدائی مکاتب قائم کئے تھے، البتہ بطرس بستانی کا مدرسہ (۱۸۰۹ء۔ ۱۸۸۳ء) سے قائم تھا، ۱۸۶۰ء میں امریکہ اور فرانس کے عیسائی مبلغون کے تینتیس اسکول تھے، جن مین تقریباً ایک ہزار طلبہ تعلیم پاتے تھے، ۱۸۶۶ء مین ان

مبلغون نے بیروت مین ایک کالج قائم کیا،

ان تعلیمی ادارون میں جب نصاب کے لئے عربی زبان کی کتابون کی ضرورت محسوس ہوئی تو بیروت مین ایلی اسمتھ اور اسکے شرکاء کار نے اس کام کے لئے دو عالمون ناصیف یازجی اور بطرس بستانی کی خدمات حاصل کین، مصر مین نصاب کی کتابین لکھنے اور غیر زبانون سے ترجمے کرنے کی خدمت طہطاوی عبد اللہ پاشا فکری اور علی مبارک پاشا کے ذمہ کی گئی، پھر جب قسطنطنیہ میں ۱۸۱۶ء اور قاہرہ مین ۱۸۲۲ء مین عربی کے مطبعے قائم ہوئے تو نہ صرف تعلیم اور ترجمے کی اشاعت مین سہولتین پیدا ہو گئین، بلکہ علوم و فنون کی اعلیٰ کتابون اور غیر زبانون کے ترجمے بھی تیزی سے طبع ہونے لگے جس سے تعلیم کی اشاعت مین بڑی مدد ملی، ان کتابون کی اشاعت سے عام تعلیمی بیداری اور علوم و فنون سے دلچسپی کا اظہار ہوتا تھا،

صحافت کے وسیلہ سے اس بیداری مین اور بھی ترقی ہوئی، تعلیم کی اشاعت اور ترقی کے ساتھ، صحافت نگاری بھی پھیلی، محمد علی پاشا نے پہلی دفعہ الوقائع المصریہ جاری کرکے صحافت نگاری کا پرچم لہرایا، پھر خدیو اسماعیل (۱۸۶۳ء۔۱۸۲۲ء) کے عہد مین روزانہ اخبارات و رسائل کی مانگ بہت بڑھ گئی، اس عہد کے ممتاز اشخاص نے مثلاً باقلی پاشا، ابراہیم الدسوقی بشارہ تقلا اور بعد مین شیخ علی یوسف سید جمال الدین افغانی اور شیخ محمد عبدہ نے عربی زبان کی صحافت نگاری مین بڑی دلچسپی لی، مصر کے سیاسی اور معاشرتی انقلابات بھی اس فن کی ترقی میں معاون ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر میں ۱۹۱۴ء مین اخبارات کی اشاعت چار پانچ ہزار سے زیادہ نہ تھی، اور اب بڑھکر چالیس پچاس ہزار تک پہنچ گئی ہے؟ ان کی کثرت اشاعت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے، کہ ہر ہفتہ پچاس ہزار سے زیادہ اخبارات اور رسائل مصر سے باہر روانہ کئے جاتے ہین، شام نے بھی صحافت نگاری کو فروغ دیا، مگر یہان کے زیادہ تر فضلا، دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہین،

اسلئے عربی زبان کا علمی مرکز مصر ہی رہا،

صحافت نگاری کی مقبولیت اور ترقی سے مصر کے عام لوگ یورپ کی تہذیب و تمدن سے روشناس ہوئے، اور وہان یوروپین سائنس، فلسفہ، آرٹ اور لٹریچر کی بھی اشاعت ہوئی پھر اس کے اثر سے وہان کے باشندون کے معاشرتی اور سیاسی خیالات مین انقلاب ہوا، اور مصری نوجوانون نے یورپ کی مختلف یونیورسٹیون مین اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد عربی کلچر کو از سر نو فروغ دینے کے لئے سائنس، قانون اور ادب کی کتابون کو اپنی زبان مین منتقل کرنا شروع کیا، اور ضرورتِ زمانہ کے مطابق انھون نے ترجمون کی زبان نہایت سادہ، سلیس اور صاف رکھی، اسکے لئے انھون نے صرف و نحو کے قواعد کا لحاظ رکھنا غیر ضروری سمجھا، اس اصلاح سے پہلے کی تحریرین مرصع ہوا کرتی تھین، مگر نوجوان انشا پردازون نے اس قسم کے اسٹائل سے پرہیز کرنا شروع کیا، کیونکہ ترجمہ مین مسجع اور مقفی عبارتین کام نہیں دے سکتی تھین، چنانچہ انھون نے بدیع الزمان ہمدانی خوارزمی اور بعض اوقات ابن خلدون کے طرز انشا کا تتبع کیا، اس کے علاوہ عام بول چال مین جس میں صرف و نحو کی زیادہ پابندی نہ تھی، ترکی کے الفاظ استعمال کرنے لگے،

پرانے قواعد سے نوجوان انشا پردازون کی یہ آزادی جامعہ ازہر کے شیوخ اور ان کے مقلدین کو پسند نہ آئی، اور انھون نے ان جدید رجحانات کی مخالفت شروع کی، اور اس مخالفت مین عربی کے پرانے لٹریچر کو از سر نو زندہ کرنے کی کوشش کی، اور قدیم اکابر علماء کی غیر مطبوعہ کتابون کو چھاپ چھاپ کر عربی زبان بولنے والے عوام تک پہونچایا، اور ان کو عربی زبان کے قدیم اصول و قواعد کو قائم رکھنے کی ترغیب دی، لیکن ان کی تمام کوششون کے باوجود پرانے مقفی اور مسجع طرز مین تبدیلی پیدا ہو کر رہی، چنانچہ نئے ممتاز اخبارات و رسائل مثلاً العروة الوثقی (۱۸۸۴ء) المقتطف (۱۸۸۶ء) الہلال اور المنار (۱۸۹۱ء) اور شیخ محمد عبدہ کی تصانیف مین

نثر کی یہ تبدیلی نمایان نظر آتی ہے، ان اخبارات و رسائل کے مقالہ نگار نحو اور ادب کے پرانے ضوابط کے پابند ضرور رہے، لیکن اپنے کو پرانے طرز انشاء سے بڑی حد تک آزاد کرلیا،

ادب و انشاء کے اس انقلاب مین ان ذہنی تحریکون کو بڑا دخل ہے، جن کو سید جمال الدین افغانی اور شیخ محمد عبدہٗ نے شروع کیا تھا، شیخ محمد عبدہٗ نے مصریون کو پرانی روایات کی زنجیرون سے آزاد کرنے کی کوشش کی، اور اسلام کی ثقافت کے تحفظ کے ساتھ موجودہ تمدن کی ترقیون سے بھی استفادہ کی تعلیم دی، ان کی تحریک سے ایسا ماحول پیدا ہوگیا، کہ عربی لٹریچر اور اسلامی علوم و فنون کی تجدید اسلام کی شاندار ماضی کے ساتھ ہوسکتی ہے، اس ماحول نے تحریر اور انشاء کیلئے بھی ایک نئی راہ پیدا کردی،

شیخ محمد عبدہٗ کے مقلدین کی بڑی تعداد ہے، جن مین قابلِ قدر علماء اور فضلاء بھی ہین، ان مقلدون کی باضابطہ تنظیم ہے جس کا آرگن الجریدہ نامی ایک اخبار تھا، یہ اخبار ۱۹۰۷ء مین احمد لطفی کی ادارت مین جاری ہوا، اسکی تحریر مین عربی ادب و انشاء کا ایک خاص طرز نمایان تھا، شیخ محمد عبدہٗ کے مقلدون نے قدیم اور جدید رجحانات کے درمیان ایک معتدل راہ اختیار کی، وہ اپنی قوم کو تعلیم، حریت اور آزادی کا سبق دیکر اسکو بلند کرنا چاہتے تھے، اس مقصد کے حصول کے لئے اسلامی خصوصیات کو برقرار رکھتے ہوئے مغربی تمدن کے تمام اصولوں کو اپنی سیاست اور معاشرت بلکہ لٹریچر تک میں رائج کرنا چاہتے تھے، لیکن امتداد زمانہ سے ان مقلدون میں سیاسی اختلاف پیدا ہوگیا، اور الجریدہ کو بند کردینا پڑا، مگر اس جریدہ نے ملک کے ذہنی نشو و نما مین جو تبدیلی پیدا کردی تھی، اس مین برابر ترقی ہوتی رہی،

۱۹۰۸ء میں مصر مین ایک نئی یونیورسٹی قائم ہوئی جس سے جدید خیالات کی تشریح میں بڑی مدد ملی، اور علمی تجدید کو بڑا فروغ ہوا، ۱۹۲۲ء مین علمی تجدید کے حامیون نے اپنی

تحریک کو پر زور بنانے کے لئے ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کی ادارت مین ایک اخبار السیاسۃ جاری کیا، السیاسۃ کے اہلِ قلم اور مقالہ نگارون نے عربی زبان کی تاریخ اور تنقیدی ادب پر زیادہ زور دیا، ان کے مضامین اور تصانیف مین پہلی دفعہ عرب قومیت کے بجائے مصری قومیت کی اسپرٹ نظر آئی،

اس نئے گروہ مین بھی دو جماعتین ہین، ایک جماعت کا خیال ہے کہ مغرب کے وسیع علمی اور سائنٹفک ذرائع سے اسلامی ثقافت کی روح اور اسکی خصوصیات کو نقصان پہنچائے بغیر مشرقی لٹریچر مین ہر طرح کا استفادہ کیا جاسکتا ہے، اس خیال کے حامی ڈاکٹر منصور فہمی، پروفیسر احمد امین، مصطفےٰ عبدالرزاق اور ابراہیم عبدالقادر وغیرہ ہین، دوسری جماعت کے گویا رہنما ڈاکٹر طہٰ حسین ہیں، وہ عربی زبان کا مطالعہ مغرب کی علمی تنقید کے سائنٹفک اصول اور قوانین کے مطابق کرنا چاہتے ہین، وہ اپنی تنقید مین قدماء کی رائے سے اسی حد تک متاثر ہونا پسند کرتے ہین، جس حد تک وہ موجودہ سائنٹفک اصول کے مطابق ہو، ان کے خیال مین اہلِ عرب کے علمی مشاغل کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھنا ضروری نہیں ہے، جس نقطۂ نظر سے اسکو قدمائے دیکھا ہے، اس خیال کے تحت جب زمانۂ جاہلیت کی شاعری پر انکی کتاب الادب الجاہلی شائع ہوئی، تو اس کی سخت مخالفت ہوئی، کیونکہ اس کتاب مین انھون نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے قصون کو جو اسلام سے پہلے مشہور تھے، ناقابلِ قبول قرار دیا تھا، مصری حکومت نے عوام کی شدید مخالفت کو دیکھ کر اس کتاب کو ضبط کرلیا، لیکن ڈاکٹر طہٰ حسین نے اس مخالفت کے باوجود قدماء کے طرز تنقید کے خلاف ہر قسم کی کوشش جاری رکھین، ان کا خیال ہے کہ عربی لٹریچر کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ دینی علوم سے اس کا لگاؤ باقی نہ رہے کیونکہ کسی لٹریچر کا فروغ اسی وقت ہوسکتا ہے، جب وہ تعصب سے آزاد ہو، خواہ یہ تعصب مذہبی ہو یا سیاسی، لٹریچر کی تاریخ کا مطالعہ آزاد اور ناقدانہ ہونا چاہئے، جس طرح ماہرین نباتات اور حیاتیات اپنے علوم کی

تحقیقات مین کسی خوف اور رعایت کو دخل نہیں دیتے ہیں، عربی زبان کے ادب عالی کے متعلق ان کے خیالات السیاسۃ مین حدیث الاربعاء کے عنوان سے شائع ہوئے، اس میں انھون نے اپنے خاص نقطۂ نظر سے اموی اور عباسی عہد کے طرز زندگی اور شاعری پر تنقید کی ہے، اور اس زمانہ کے ممتاز شعراء مثلاً ابونواس، بشار بن برد، مطیع بن ایاس، مروان ابن ابی حفصہ کی شاعری کے مختلف پہلوؤن پر روشنی ڈالی ہے، اور قدیم اور جدید خیالات کے انشا پردازون کے متنازعہ فیہ امور پر بھی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے،

مصر مین ۱۸۸۲ء اور ۱۹۳۶ء کے درمیان غیر معمولی سیاسی اور معاشرتی انقلابات ہوئے ان انقلابات میں عربی لٹریچر یورپین اثر سے بہت زیادہ متاثر ہوا، عربی زبان مین جدید شاعری کا آغاز ہوا جس مین زیادہ تر فرانسیسی اثرات غالب تھے، عثمان جلال نے فرانسیسی شعراء کے گیتون کو عربی شعر کا جامہ پہنانا شروع کیا، جس میں صرف و نحو کی پابندی نہیں تھی، یہ اشعار تھیٹرون، فلمی کمپنیون اور نشر گاہون مین مقبول ضرور ہوئے، لیکن ابھی ان مین زیادہ ترقی نہین ہوئی، اور انکی علمی اہمیت بھی تسلیم نہیں کیجاتی ہے،

شاعری میں عموماً بحرین اور عروضی قواعد تو وہی پرانے ہین، لیکن بعض جدت پسند شعراء نے جدتین کی ہین، مثلاً شوقی کا یہ شعر،

مال واحتجب   وادّعی الغضب

فاعلن فعل   فاعلن فعل

ابراہیم ناجی نے عاصفۃ روح میں ایک نئی بحر استعمال کی ہے،

این شطّ الرجا   یاعباب الھموم

فاعلاتن فعل   فاعلاتن فعل

گویہ بحرین قدیم بحرون کی محض ترمیم ہین، پھر بھی عربی زبان کے لئے نئی ہین، بعض شعراء مثلاً البارودی (محمود پاشا) (۱۸۳۹ء - ۱۹۰۴ء) اور حافظ نے بھی نئے اسٹائل اور طرز میں عہد عباسیہ کے شعراء ہی کی تقلید کی، لیکن اپنے عہد کے جدید رجحانات سے بھی متاثر ہوئے، مثلاً بارودی کے ایک قصیدہ کے چند اشعار یہ ہین،

یا روضۃ النیل لا مستک بائقۃ   ولا عدتک سماء ذات اغداق

اصبو الیھا علی بعد و یعجبنی   انی اعیش لھا فی ثوب املاق

وکیف انسی دیاراً قد ترکت بھا   اھلا کراما لھم ودی واشفاقی

حب الوطنی کا یہ رنگ حافظ کی نظمون اور مرثیون مین اور بھی تیز ہو جاتا ہے، حافظ نے نہ صرف حب الوطنی کا ترانہ گایا، بلکہ اپنی نظمون مین غربا کی دردناک حالت کی تصویر کھینچی، اور ان سے ہمدردی کا اظہار کیا، جس سے وہ شاعر عوام ہو گیا، حافظ اور شوقی کی نظمون مین زیادہ تر مصری قومی اسپرٹ کا ترانہ تھا، انھون نے عربون کے ذہن مین اسلامی اور مصری دونون تمدنون کے شاندار ماضی کی یاد تازہ کی، شوقی نے اپنے اشعار مین نئے مضامین اور نئے طرز بھی رائج کئے، اور نہ صرف قدیم قصیدہ کے طرز کو چھوڑ دیا، بلکہ عام بول چال کے الفاظ مصر کی قدیم تاریخ کے غیر مانوس اسماء کبھی بالکل نئے الفاظ مثلاً سیارہ، مطارہ، ریل گاڑی کے لئے، رائج دغاز توت عنخ آمون کے لئے جبار القرون اور برطانوی شیر کیلئے اللیث استعمال کئے ہین،

عربی ادب مین رزمیہ شاعری اور ڈرامہ بھی شوقی کی کوششون سے شروع ہوا،

لیکن اس تجدد کے باوجود حافظ اور شوقی کو یورپین طرز کے جدید شاعر نہین کہا جا سکتا ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کا خیال ہے کہ شوقی کی شاعری مین اسلامی اور مغربی فلسفہ کا ایک عمدہ قسم کا امتزاج ہے، لیکن ڈاکٹر طہ حسین کو اس رائے سے اتفاق نہین، انکی رائے مین شوقی کی شاعری

کسی خاص تخیل یا شاعرانہ نظریہ کی حامل نہیں، یہ بھی ان کا خیال ہے کہ عربی زبان کی جدید شاعری مین نہ تو قدیم شاعری کا اعلیٰ معیار ہی قائم ہے، اور نہ وہ بالکل جدید ہے، کیونکہ جدید شعراء اپنے عہد کی زندگی کی صحیح ترجمانی نہین کرتے ہین، اسکی وجہ یہ ہے کہ ان مین صلاحیت اور ذہنی نشو و نما کا فقدان ہے،

شوقی اور حافظ کی شاعری اصلی معنون مین جدید نہ ہو، لیکن انھون نے اپنی سیاسی اور اخلاقی نظمون کے ذریعہ سے ملک مین قومی سرگرمی اور جوش خوب پھیلایا، اور اپنی قوم کے جذبات کی پوری ترجمانی کی، مغرب کے شعراء کی طرح انھون نے نہ دنیا کے سامنے کوئی نیا پیام پیش کیا، اور نہ عربون ہی کو کوئی پیام دیا، وہ قوم کو متاثر نہین کر سکے، بلکہ خود اس سے متاثر ہو کر ان کے جذبات کے ماتحت رہے، البتہ عربی شاعری کی آیندہ ترقی کے لئے فضا تیار کر دی، ان کی کوششین اس لئے بھی بار آور کہی جاسکتی ہین، کہ ان کے اثر سے موجودہ شعراء مین فطری اور حکایتی شاعری کا رجحان بڑھتا جاتا ہے، اور بعض نظمین خاص مقصد سے لکھی جاتی ہین جن مین تخیل کا تسلسل اور مدعا کی یگانگت باقی رہتی ہے،

غرض عربی شاعری کی تجدید کی کوششیں جاری ہین، اسکے لئے مجلسین بھی قائم ہوگئی ہین، ۱۹۳۶ء مین اسکندریہ مین "شاعری کا جدید اسکول" کے عنوان سے بہت سے لکچرز دیئے گئے ہین جس مین ممتاز فضلاء اور شعراء نے شرکت کی، ان تمام مقررون نے قدیم عروض اور بحرون کے قیود سے آزادی حاصل کرکے غیر مقفیٰ شاعری کی ترغیب دی، اور رزمیہ شاعری اور ڈرامہ پر زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت بتائی، عربی شاعری کے ان مجددون کی کوششیں کس حد تک کامیاب ہون گی، یہ ابھی نہین بتایا جاسکتا، لیکن اس کے جدید رجحانات یہ ہین، کہ اس کی اصلی خصوصیات کے قیام کے ساتھ اسمین جدید یورپین طرز زیادہ سے زیادہ رائج ہو جائے،

(باقی)

(ص ۔ ع)

اخبار علمیہ

اردو انسائیکلوپیڈیا

ادارۂ ادبیات اردو جس کو ملک کے ذی علم حضرات کی قلمی اعانت اور ذی مرتبہ امراء کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے کم وبیش دس سال سے زبان و ملک کی مسلسل خدمت کر رہا ہے اسکا کام مختلف علوم و فنون کے بارہ شعبون مین پھیلا ہوا ہے جس کے زیر نگرانی اب تک بہتر (۷۲) سے زیادہ کتابین شائع ہو کر مقبول ہوئین،

بہت غور اور متعدد صاحبان علم و فضل سے تبادلۂ خیال کے بعد اس نے گذشتہ سال اردو انسائیکلوپیڈیا شائع کرنے کا تصفیہ کیا، چونکہ اسکی ترتیب و تالیف کے لئے متعدد علوم و فنون کے ماہرین کے اشتراک عمل کی ضرورت تھی، اس لئے سب سے پہلے اُس نے ہندوستان کے متعدد ماہرین علوم و فنون کو قلمی اعانت پر آمادہ کیا،

انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب و تالیف مین اس کا خاص طور پر خیال رکھا جا رہا ہے، کہ مختلف علوم و فنون کے الفاظ ماہرین ہی سے لکھوائے جائین، اس سلسلہ مین ساری انسائیکلوپیڈیا کو مختلف علوم و فنون کے متعدد شعبون مین تقسیم کر دیا گیا ہے، اور ہر شعبہ کی نگرانی ایک ماہر کے تفویض کر دی گئی ہے، جو معاونین کی مدد اور مجلس انتظامی کی عام نگرانی مین شعبے کے جملہ الفاظ پر نوٹ مرتب کر رہا ہے،

فی الوقت حسب ذیل ماہرین اور علما، اپنی نگرانی مین مضامین متعلقہ کا کام شروع کر چکے ہین،

معاشیات	ڈاکٹر انور اقبال صاحب قریشی ایم اے آکسن بارایٹ لا صدر شعبۂ معاشیات جامعۂ عثمانیہ
تاریخ	پروفیسر ہارون خان صاحب شیروانی ایم اے آکسن بارایٹ لا صدر شعبۂ تاریخ جامعۂ عثمانیہ،
تہذیب و ثقافت	ڈاکٹر ایشور ناتھ صاحب ٹوپا ایم اے پی ایچ ڈی پروفیسر انڈین کلچر جامعۂ عثمانیہ
ریاضی	ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدیقی ایم اے پی ایچ ڈی۔
سائنس	ڈاکٹر قاضی معین الدین ایم ایس سی پی ایچ ڈی پروفیسر نظام کالج و ڈاکٹر لال ایم ایس سی پی ایچ ڈی،
السنۂ قدیم و جدید	ڈاکٹر محمد راحت اللہ خان صاحب ایم اے ڈی فل مہتمم کتب خانۂ آصفیہ
فلسفہ	ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی،
تعلیمات و تدریسات	مولوی سجاد مرزا صاحب ایم اے پرنسپل ٹریننگ کالج،
طب	ڈاکٹر منور علی صاحب ایف آر سی ایس و ڈاکٹر قاسم حسین صاحب صدیقی ایم آر سی ایس ایل آر سی پی لندن کاروز بلدہ،
نسائیات	مس حبیبی نندی بی اے آنرز آکسن،
کھیل	اس ام ہادی بی اے کیمبرج،
اردو زبان و ادب	ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور ایم اے پی ایچ ڈی و پروفیسر عبد القادر سروری ایم اے ایل ایل بی،
ہندی ادب اور دیوناگری	پنڈت ونشی دھر ودیا النکار،
کنڑی و مرہٹی وغیرہ	رگھوناتھ راؤ بھساری ایم اے و ڈی کے بھیم سین راؤ ایم اے،

انڈکس کی ترتیب اور مقالے لکھوائے جانیکا انتظام تیزی کے ساتھ جاری ہے، ان کے علاوہ بہت سے مشاہیر علما، و فضلا ہندوستان کے گوشے گوشے سے دوسرے علوم و فنون کے ضمن مین قلمی اعانت فرما رہے ہین، ان میں سے چند کے نام یہ ہین،

ڈاکٹر محمد باقر ایم اے پی ایچ ڈی لاہور، پروفیسر مسعود حسن رضوی ایم اے لکھنؤ یونیورسٹی، شاہ بخاری پطرس ایم اے دہلی، ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی پونا، پروفیسر ردوالہ آباد وغیرہ۔

ترتیب و تالیف کی نوعیت اور معیار کا صحیح اندازہ پیش کرنے کے لئے زیر اشاعت انسائیکلو پیڈیا کے چند اوراق بطور نمونہ الگ شائع کرکے ہفتہ عشرہ مین صاحبان ذوق و نظر کی خدمت مین برغرض رائے بھیجے جائین گے،

اردو انسائیکلوپیڈیا جیسی علوم و فنون کی ضخیم کتاب کی ترتیب و تدوین کے لئے ابھی ہمین سیکڑون ماہرین کی قلمی اعانت درکار ہے، اس لئے ہم بیحد ممنون ہون گے، اگر وہ علما و فضلا جن کا اب تک ہمین تعاون حاصل نہیں ہے، اور جو ازراہ علم دوستی ہمارا ہاتھ بٹانا چاہتے ہین، ہمین مطلع فرمائین کہ انھین کن خاص علوم و فنون سے دلچسپی ہے، تاکہ ہم ان کی قابلیتون سے استفادہ کر سکین،

قانون مسعودی

محکمۂ آثار قدیمہ ہند (دہلی)، نے بیرونی کی مشہور کتاب قانون مسعودی کو شائع کیا ہے، اس کی تصحیح و ترتیب ایک ترکی مستشرق ذکی ولیدی طغان نے کی ہے، اسکی ترتیب کے لئے انھون نے البیرونی کی تصانیف کی تلاش اور جستجو مین یورپ اور ایشیا کے مختلف حصون کی سیاحت کی، اور کئی سال کی محنت کے بعد قانون مسعودی کو اڈٹ کیا، ان کو یورپ مین اس کتاب کا کوئی ناشر نہ ملا تو ہندوستان کے محکمۂ آثار قدیمہ کے ڈائرکٹر جنرل کی طرف رجوع کیا، انھون نے کتاب کی اہمیت کا لحاظ کرکے منظو

کر دیا، اور محکمۂ آثار قدیمہ نے اس کو گذشتہ جولائی مین دہلی سے شائع کر دیا ہے لیکن اس مین قانون مسعودی کے صرف وہی حصے ہین جن کا تعلق ہندوستان سے ہے، حالانکہ البیرونی نے اس کتاب مین ایشیا کے مختلف خطون کے پراز معلومات جغرافیائی حالات لکھے ہین، یہ حالات اس نے ذاتی مشاہدات اور تجربات کے بعد قلمبند کئے ہین، البیرونی مختلف زبانون کا جید عالم تھا، اس لئے جن جن ملکون مین وہ گیا، وہان کی زبان، سائنس، لٹریچر، فلسفہ، مذہب، اور عادات ورسوم کی مفصل کیفیت بھی لکھی ہے،

قانون مسعودی کا وہ حصہ جو ہندوستان کے محکمۂ آثار قدیمہ نے شائع کیا ہے، چار ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب مین کرۂ ارض کی عمومی تفصیلات، اور مختلف ملکون کی جغرافیائی تقسیم ہے اس تقسیم مین ایک نقشہ کے ذریعہ انکے طول البلد اور عرض البلد کی تشریح کی گئی ہے، دوسرا باب دنیا کی ابتدا، قدیم انسانی آبادی، اور برفانی نظریہ پر ہے، کہا جاتا ہے، کہ برفانی نظریہ سب سے پہلے البیرونی نے ہی قائم کیا تھا، یہ نظریہ اوس نے مین کے پہاڑون کے مشاہدات پر قائم کیا تھا،

تیسرے باب مین معدنیات یعنی سونا چاندی تانبے، اور لوہے وغیرہ اور ان کی کانون کے حالات ہین، چوتھے باب مین جڑی بوٹیون، پودون پھل، مختلف ادویات، اور چھالون کی تفصیلات ہین، اس باب مین بری اور بحری جانورون کی خصوصیات بھی بیان کی گئی ہین، "ص ع"

لغات جدیدہ

عربی زبان کے اخبارات، رسائل، تصنیفات اور بول چال مین ہزارون نئے الفاظ پیدا ہوگئے ہین جن کے بغیر آجکل کی عربی زبان سمجھنا دشوار ہے، مصنف نے اس کتاب مین اس قسم کے چار ہزار جدید عربی الفاظ کا لغت لکھا ہو قیمت :- عہ

"منیجر"

ادبیات

حشر جذبات

از

جناب ثاقب کانپوری

آؤ دل پُر غم کی روداد سنانی ہو — تارے بھی فلک پر ہین اور شب بھی سہانی ہو

آشفتہ خیالی ہے، آشفتہ بیانی ہو — کیونکر ہو کشش اس مین یہ میری کہانی ہو

آزاد ہون جلوے بھی آزاد ہین جب نظرین — اظہار تجلی مین کیون قید مکانی ہو

وہ دیکھین تو شاید ہو احساس فنا پیدا — تصویر محبت مین ایک ایسی نشانی ہو

کیون طول دیا اسکو جب غم تھا فنا قسمت — یعنی کہ محبت مین جب موت ہی آنی ہو

اب دیکھئے ہوتی ہو تکمیل جنون کب تک — ابتک تو محبت مین اشکون کی روانی ہو

کیون رکھتے ہو محفل مین تم دلکو عزیز اپنے — جب دہر مین ہر شے کی بنیاد ہی فانی ہو

یا باعث رونق تھے ہم بزم تمنا مین — یا ہم ہین زمانے مین اور اشک فشانی ہو

اللہ ری مجبوری یہ کیسے کہون ان سے — قصہ جو وہ سنتے ہین میری ہی کہانی ہو

کیا ذکر کرون تم سے اس اشک کی قسمت کا — قیمت مین جو موتی تھا الفت مین جو پانی ہو

باقی نہ رہا ثاقب جو لطف کہ حاصل تھا
اظہار محبت سے اب دل پہ گرانی ہو،

غزل

از

جناب شاہد صدیقی اکبرآبادی

اے عشقِ بے نیاز، یہ کیا انقلاب ہے
غم کامیاب ہے نہ خوشی کامیاب ہے

مستی میں، ہر فریبِ خرد، بے نقاب ہے
اس وقت، جو گناہ بھی کیجے ثواب ہے

وہ دور ہیں نگاہِ طلب کامیاب ہے
بڑھ جائے اپنی حد سے تو جلوہ حجاب ہے

فکرِ مآلِ عشق نہ کی ہم نے عشق مین
معلوم تھا کہ خواب ہی تعبیرِ خواب ہے

لطفِ نظر بہ قیدِ نظر چاہتا ہوں مین
میرا سوالِ دید خود اپنا جواب ہے

مجبور ہون کہ طاقتِ شکرِ ستم نہیں
مسرور ہون کہ تیرا ستم کامیاب ہے

رسوائیان ہین عشق کی معراجِ زندگی
یہ تم نے کیا کہا کہ "زمانہ خراب ہے"

غم پر اثر نہیں ہے کسی انقلاب کا
اور غم بجائے خود اثرِ انقلاب ہے!

حاصل ہے لطفِ دید مگر یہ خبر نہین
تو بے حجاب ہے کہ نظر بے حجاب ہے!

شاہد بغیر وجہ نہین نظمِ کائنات
اس بزمِ ناز مین کوئی دل باریاب ہے

جامِ صہبائی

از جناب اثر صہبائی

صہبائے خمِ الست مل جائے مجھے!
آگاہی رازِ ہست مل جائے مجھے!

باطل مرے پانون مین نگون ہو جائے!
ایسا دلِ حق پرست مل جائے مجھے!

باب التقریظ والانتقاد

رسالون کے سالنامے اور خاص نمبر

الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر

مرتبہ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی تقطیع بڑی ضخامت ۴۰۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت عار پتہ:- دفتر الفرقان، بریلی،

رسالہ الفرقان بریلی اس سے پہلے ہندوستان کے مجددین و مصلحین مین حضرت مجدد الف ثانی، مولانا سید احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہید رحمہم اللہ کے حالات مین خاص نمبر نکال چکا ہے، اب اس نے اس سلسلہ کے مجدد اعظم حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے تذکرہ کی سعادت حاصل کی ہے، تجدیدی وسعت وجامعیت کے لحاظ سے شاہ ولی اللہ صاحب کا مقام بہت بلند ہے، اورنگزیب کے بعد ہندوستان کے مسلمانون پر نہ صرف سیاسی بلکہ مذہبی، اخلاقی، تعلیمی، علمی اور اقتصادی ہر حیثیت سے زوال طاری ہو گیا تھا، مرکزی حکومت کمزور پڑ چکی تھی، ملک مین طوائف الملوکی بپا تھی، ارکان سلطنت میں غیر اسلامی طاقتون کا غلبہ تھا، علماء فکر و نظر سے محروم اور عوام جہل و خرافات مین مبتلا تھے، ہر طبقہ اور ہر شعبہ سے اسلامی روح فنا ہو رہی تھی، اس نازک دور مین شاہ ولی اللہ کا ظہور ہوا، انکی نظران تمام زوال پذیر گوشون پر تھی، چنانچہ انھون نے دین و ملت، عقائد و خیالات، علم و فن، شریعت و طریقت، سیاست و اقتصادیات ہر شعبہ مین تجدید و اصلاح اور مسلمانون کے مردہ قالب مین روح پھونکنے کی کوشش کی، الفرقان نے ان کارنامون پر

ہندوستان کے ممتاز اصحابِ علم کے قلم سے مقالات اور معلومات کا یہ ضخیم مجموعہ فراہم کیا ہے، مولانا مسعود عالم ندوی کا مضمون "امام ولی اللہ دہلوی سے پہلے اسلامی ہند کی دینی حالت اور اس کا تدریجی ارتقاء" بڑی تلاش و محنت سے لکھا گیا ہے، اور شاہ صاحب کے تجدیدی کارناموں کے پس منظر کی حیثیت رکھتا ہے، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے منصب تجدید کی حقیقت واضح کر کے اس میں شاہ صاحب کا مقام دکھایا ہے، مولانا مناظر احسن گیلانی کا مبسوط مضمون شاہ صاحب کے تجدیدی کارناموں پر جامع تبصرہ ہے، مولانا عبید اللہ سندھی نے حکمتِ ولی اللہی کا اجمالی تعارف کرایا ہے، گو اس مضمون کے تمام استنباطات سے ہم کو اتفاق نہیں ہے لیکن مضمون بہت عالمانہ ہے، اور شاہ صاحب کے فلسفہ اور ان کی کتابوں پر عمیق غور و فکر کا نتیجہ ہے، مولانا سید سلیمان ندوی کا مضمون "ہندوستان میں اسلامی حکومت کے زوال کا سبب شاہ صاحب کی نظر میں" گو مختصر ہے لیکن اس سے شاہ صاحب کی سیاسی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے، ان مضامین کے علاوہ مولینا سعید احمد اڈیٹر برہان، مولینا ابو الحسن علی ندوی استاذ ندوۃ العلماء، مولینا محمد اویس نگرامی رفیق دار المصنفین، مولانا ابو النظر امروہوی، مولانا محمد یوسف استاذ جامعہ ڈابھیل، مولینا خیر محمد صاحب صدر مدرس خیر المدارس جالندھر، مولینا منظور نعمانی اڈیٹر الفرقان کے قلم سے شاہ صاحب کی مختلف حیثیتوں پر فاضلانہ اور پر از معلومات مضامین ہیں، شاہ صاحب کے متعلق متعدد اچھی نظمیں بھی ہیں، تبرکاً ان کی تحریر کا عکس بھی شامل کر دیا گیا ہے، یہ معلومات کے اعتبار سے نمبر شاہ صاحب کے حالات میں مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے، اور ارباب علم کے مطالعہ کے لائق ہے،

البیان براہین وحی نمبر — مرتبہ جناب مولوی محمد حسین صاحب عرشی تقطیع بڑی ضخامت ۱۸۲ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ، پتہ دفتر امت مسلمہ امرتسر،

بغیر کسی دلیل کے کلام پاک کے وحی الٰہی ہونے کا عقیدہ اسلام کا ایسا بنیادی مسئلہ اور مسلمانوں کا ایسا متفقہ عقیدہ ہے، جس سے کسی اسلامی فرقہ کو اختلاف نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس سے مدیر نگار

کے انکار پر بلا اختلاف ہندوستان کے تمام اسلامی فرقوں حنفی، وہابی، اہل قرآن، اہل حدیث، حتی کہ نئے تعلیم یافتہ آزاد خیال مسلمانوں تک نے مدیر مذکور کو ملامت کی، اور اس کے خرافات کے جواب میں مضامین لکھے، رسالہ البیان امرتسر نے ان تمام مضامین کو براہین وحی کے نام سے ایک خاص نمبر میں جمع کر دیا ہے، مضمون نگاروں کے ناموں پر نظر ڈالنے سے اس کا ثبوت ملتا ہے، کہ اسلام کے بنیادی مسائل پر الحمد للہ آج بھی تمام اسلامی فرقے اور جماعتیں متفق ہیں، چنانچہ اس نمبر میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا منظور نعمانی اڈیٹر الفرقان، مولانا سعید احمد اکبرآبادی اڈیٹر برہان، مولینا ادریس نگرامی، مولوی عرشی امرتسری ڈاکٹر تاثیر ایم اے پی ایچ ڈی، سید مقبول احمد ڈپٹی کلکٹر، جناب اقبال سلمانی صاحب جیسے مختلف الخیال اصحاب ایک جماعت میں نظر آتے ہیں، یہ مجموعہ نہ صرف خرافات نگار کے جواب کی حیثیت سے بلکہ کلام اللہ اور وحی کے متعلق علمی حیثیت سے بھی مطالعہ کے لائق ہے،

عالمگیر تاریخ نمبر اور سالنامہ — مرتبہ حافظ محمد عالم صاحب تقطیع بڑی ضخامت علی الترتیب ۱۹۲ اور ۲۳۵ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت تاریخ نمبر ۱۲، سالنامہ عہ، پتہ بازار سید مٹھا لاہور،

رسالہ عالمگیر نے اس سال دو خاص نمبر نکالے ہیں ایک تاریخ نمبر، دوسرا سالنامہ، تاریخ نمبر کے بیشتر مضامین تاریخی یا تاریخی رنگ کے ہیں، تاریخی مقالات میں "زیب النساء بیگم" پروفیسر سالک ایم اے، "عہد شاہجہانی کا نامور مورخ" جناب عبد اللہ قریشی، "سلطان شہید" حیدر علی صاحب بی اے مفید اور پر از معلومات ہیں، مولانا ظفر علی خان کے "تاریخی جواہر ریزے" بھی دلچسپ ہیں، تاریخی رنگ کے متعدد ستھرے افسانے اور ڈرامے بھی ہیں، تاریخی اور ادبی دونوں حیثیتوں سے یہ نمبر اچھا ہے،

سالنامہ بھی معمول کے مطابق مختلف رنگ اور مذاق کے مضامین کا مجموعہ ہے، یہ نمبر بھی سنجیدہ علمی اور تاریخی مضامین سے خالی نہین لیکن تاریخ نمبر کے مقابلہ میں یہ مضمون معمولی ہین، تاہم ان مین "حقائق و معارف" "مولانا ظفر علی خان"، "مالیات عامہ اور اسلام"، عبد الرحیم شبلی، "مرزا سبزواری" مولوی محوی صدیقی معلومات کے اعتبار سے غنیمت ہین؛ ادب اور افسانون کا حصہ البتہ اچھا ہے، "پنیر کے سوراخ" فضل حق صاحب قرشی" "ڈاکٹر" جناب سالک لکھنوی، "حسن سوگوار"، جناب ظفر واسطی "جھلکے" آسی رام نگری اچھے افسانے ہین،

نیرنگ خیال اردو مجلس دلی نمبر } مرتبہ جناب حکیم محمد یوسف حسن صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۱۵۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۸ر، پتہ:- نیرنگ خیال فلیمنگ روڈ لاہور،

دلی کے خوش مذاق ادیب خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی نے اردو زبان کی خدمت کیلئے ایک مجلس قائم کی ہے، اسکے ہفتہ وار جلسون مین مجلس کے ارکان مختلف موضوعون پر مقالات اور نظمین پڑھتے ہین، نیرنگ خیال نے اردو مجلس دلی کے نام سے ان کو ایک خاص نمبر مین جمع کردیا ہے، اس مین زیادہ تر افسانے اور ڈرامے ہین، لیکن ستھرے اور مفید "آغا عینی رشادی کا خواب" اشرف صبوحی صاحب اور "حقیقی دوست"، جناب ماہر دہلوی، موثر اور سبق آموز اور "چار درویش" احترام اللہ صاحب، اور "پھدکتی مینا" دلچسپ ہین، علمی مضامین مین حامد علی صاحب کا مضمون "آثار صنادید عجم" مفید ہے، نظمون کا حصہ بھی اچھا ہے، اس نمبر کے تقریباً تمام مضمون نگار دہلی کے ہین اسلئے ادبی حیثیت سے سب مضامین بلند پایہ ہین،

سالنامہ ساقی مرتبہ جناب شاہد احمد صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ پتہ:- دفتر ساقی دہلی،

یہ نمبر افسانون کی کثرت تنوع اور ضخامت کے اعتبار سے پوری کتاب ہے، افسانے بیشتر اچھے افسانہ نگارون کے قلم کے ہین، اور ان مین اختلاف ذوق کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، اس کا بڑا حصہ دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہے، ایسے افسانون سے اردو مین فسانہ نگاری کا معیار قائم ہے، ہم نے قریب قریب کل افسانے پڑھے، اعظم کریوی، صادق الخیری، حجاب امتیاز علی، ممتاز مفتی، بلونت سنگھ عظیم بیگ چغتائی، محمد نصیر الدین، شفیق الرحمن اور اشرف صبوحی کے افسانے زیادہ پسند آئے،

ادب لطیف افسانہ نمبر } مرتبہ چودھری برکت علی و چودھری نذیر احمد صاحبان تقطیع بڑی، ضخامت ۱۵۲ صفحے کاغذ کتابت طباعت بہتر قیمت ۱۲ر پتہ:- مکتبہ اردو لاہور،

یہ نمبر بھی افسانون کے تنوع اور دلچسپی کے اعتبار سے کامیاب ہے، گو اس کے افسانون کی تعداد ساقی سے کم ہے، لیکن کیفیت مین اسکے برابر ہے، مختلف مذاق کے بیس بائیس افسانے ہین، راجندر سنگھ بیدی، احمد ندیم قاسمی، بلال احمد، اوپندر ناتھ اشک، اختر انصاری، اور شفیق الرحمان کے افسانے خاص طور سے پڑھنے کے لائق ہین،

ہمدرد صحت قدرتی علاج نمبر } مرتبہ جناب حکیم حافظ محمد سعید خان دہلوی تقطیع بڑی ضخامت ۱۶۴ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۲ر پتہ:- ہمدرد منزل لال کنوان، دہلی،

ہمدرد صحت ہر سال کسی اہم طبی موضوع پر خاص نمبر نکالتا ہے، اس مرتبہ اوس نے قدرتی علاج کے مختلف طریقون پر یہ نمبر نکالا ہے، تہذیب و تمدن اور فن طب کی روز افزون ترقی نے فطری علاج کو ذہنون سے بالکل فراموش کردیا ہے، اور اب طبی علاج ناگزیر سا ہوگیا ہے، حالانکہ اصل طریقہ علاج یہی ہے، خصوصاً صحت کے بقا و تحفظ کا مدار تو اب بھی بڑی حد تک فطری قوانین

کی پابندی پر ہے، اس نمبر میں پانی، غذا، آرام وسکون، ورزش جسمانی، مالش، صفائی، شعاع آفتاب، مختلف رنگوں، روزہ اور موسیقی وغیرہ فطری اصولوں اور طریقوں کے ذریعہ بقاے صحت اور امراض کے علاج پر مفید مضامین ہیں، موضوع سے متعلق چند افسانے بھی ہیں، یہ نمبر اطبا اور عوام دونوں کے مطالعہ کے لائق ہے،

عصمت سالگرہ نمبر، مرتبہ رازق الخیری صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۱۳۶ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت:- ۸ر پتہ:- عصمت بک ڈپو دہلی،

عورتوں میں تحریر وانشاء کا مذاق پیدا کرنے میں رسالہ عصمت کو بڑا دخل ہے، اس کے ذریعہ بہت سی خواتین ادبی دنیا میں روشناس ہوئیں، یہ رسالہ شروع سے اب تک ایک معتدل روش پر قائم ہے، عورتوں کے ذوق کے مضامین اور ان کے لئے مفید اور کارآمد معلومات پیش کرتا ہے، یہ نمبر بھی مضامین ومعلومات کے تنوع کے اعتبار سے عورتوں کے مطالعہ کے لائق ہے، ڈاکٹر نصیر الدین احمد صاحب کے قلم سے مختلف قوموں اور ملکوں میں طلاق کے رواج اور قانون اور اسلامی قانون طلاق سے اسکے موازنہ پر مفید اور پر از معلومات مضمون ہے، البتہ تین طلاق کے مفہوم کی یہ نئی تشریح انکی طبعزاد ہے،

"م"

نئے رسالے

جہان آزاد (فارسی)، مرتبہ جناب ع جباری تقطیع بڑی ضخامت ۴۴ صفحے، کاغذ سپید اور ٹائپ روشن قیمت سالانہ سے ر فی پرچہ ۴ر غیر ممالک سے صرف بقدر محصول زیادہ پتہ:- جانگھہ ادارہ دہلی،

ایک زمانہ میں کلکتہ کے مشہور فارسی اخبار حبل المتین نے بڑی شہرت حاصل کی تھی، اس کے بعد پھر ہندوستان سے کوئی قابل ذکر فارسی اخبار ورسالہ نہیں نکلا، اب دہلی کے ایک متوطن ایرانی آقاے ع جباری نے ہندوستان اور اس کے جوار کے فارسی بولنے والے ملکوں اور قوموں کے درمیان ربط اور اتحاد پیدا کرنے اور ایک کو دوسرے کے حالات سے باخبر رکھنے کے لئے جہان آزاد جاری کیا ہے، ہم نے اس کے دو نمبر دیکھے، اس میں موجودہ جنگ کے حالات، اسلامی دنیا کی پوزیشن، متحارب قوتوں سے ان کے تعلقات، اور ان پر اس جنگ کے اثرات خصوصاً برطانیہ سے تعلقات پر زیادہ مضامین نظر آئے، بعض علمی وادبی مضمون بھی ہیں، لیکن ان کی حیثیت ثانوی ہے، یہ رسالہ اس حیثیت سے ضرور مفید ہے، کہ اس کے ذریعہ ہندوستان میں فارسی زبان کی کچھ نہ کچھ خدمت ہو جائیگی، اور ہندوستان کے مسلمانوں اور فارسی بولنے والے اسلامی ملکوں کے درمیان ایک ادبی رابطہ پیدا ہو جائیگا،

ذکری مرتبہ مولانا عبد اللہ مصری تقطیع بڑی ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت اوسط، قیمت سالانہ سے ر ششماہی ۱۲ر پتہ:- آستانہ عالیہ دائرہ شاہ حجت اللہ بہادر گنج الہ آباد،

الہ آباد کے دو دائرے مدتوں علم وفضل اور ارشاد وطریقت کا مرکز رہ چکے ہیں، دائرہ شاہ حجت اللہ میں اسکی آخری یادگار مولانا شاہ محمد حسین مرحوم کی ذات تھی، ان کے بعد ان کے خلف الصدق مولانا شاہ محمد ولایت حسین مرحوم نے بڑی حد تک اس منصب کو سنبھالے رکھا، لیکن اب وہ بھی اس دنیا سے اٹھ چکے، اور دائرہ شاہ حجت اللہ میں سناٹا تھا، خوشی کا مقام ہے، کہ مولانا مرحوم کے فرزند رشید مولانا محمد فاروقی فاضل مصر نے اپنی خاندانی روایات کو قائم رکھنے کے لئے رسالہ ذکری جاری کیا ہے، اس کا مقصد فلسفہ تصوف کی تشریح واشاعت اور اس کے ذریعہ موجودہ دور کے الحاد ودہریت کا انسداد اور کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے حقائق کی ترجمانی ہے، ہم نے اس رسالہ کے کئی نمبر دیکھے، اس کے مضامین بڑی حد تک مقصد سے قریب ہیں، کتاب اللہ وسنت رسول کی ترجمانی بھی ہے، صوفیانہ حقائق ومعارف کی تشریح بھی اور متفرق مفید مذہبی مضامین

بھی دیندار مسلمانوں کے مذہبی معلومات اور ان کی تشفی کے لئے یہ مضامین کافی ہیں لیکن دہریت کے تدارک کیلئے فلسفہ، تصوف کے بجائے اسلامی تعلیمات کی حکیمانہ تشریح، اس کی روشنی میں جدید مسائل کا حل اور اسلام کی روشن تاریخ کو پیش کرنے کی ضرورت ہے، الحاد تصوف کے خلاف نہیں، بلکہ مذہب کے خلاف ہے، تصوف کا درجہ تو مذہب کے بعد آتا ہے، پھر تصوف مین بھی فنی اور نظری تصوف اور "احسان" کے فرق کو جس کا تعلق روح عمل سے ہے، پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے، مجموعی حیثیت سے موجودہ صورت مین بھی یہ رسالہ فائدہ سے خالی نہین ہے، مولانا محمد میان کے قلم سے طریقت و شریعت اور اسرار قرآنی کے مضامین اچھے ہین نغمہ قدوسی خاص ارباب ذوق و وجد کے مذاق کی چیز ہے،

ہندوستانی ادب مرتبہ جناب غلام محمد خان صاحب ایم اے تقطیع بڑی، ضخامت ۴۴ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت سالانہ للعہ رفی پرچہ ۲ر پتہ مینجر ہندوستانی ادب چنچل گوڑہ حیدرآباد دکن،

حیدرآباد کے نوجوانون مین اپنی زبان کی سنجیدہ خدمت کا جو جذبہ ہے، ہندوستانی ادب اس کا ایک نمونہ ہے، اس کا مقصد "مشترکہ زبان کی خدمت" ہے، جس کی شہادت اس کے مضامین سے ملتی ہے، وہ ادبی حیثیت سے حیدرآباد کے اچھے رسالون مین شمار ہونے کے لائق ہے، مضامین مین معلومات افادہ و دلچسپی ہر پہلو کا لحاظ ہے، مستقل مضامین کے علاوہ "سائنس" "معلومات" اور "دلچسپیان" کی سرخی کے تحت مین مختلف قسم کے مفید معلومات ہوتے ہین، ہندوستانی زبان پر عبدالقادر صاحب سروری کا مضمون اچھا ہے، "سلطنت بہمنی کا اخلاقی سرمایہ" عبدالمجید صاحب صدیقی "تحریک نو عمران"، ڈاکٹر عبدالحمید صاحب "فارسی زبان کا اثر دکن مین"، ڈاکٹر کلیم اللہ حسینی "انصاف کی ضرورت اور اسکی تنقیدی قوت" محمد غوث صاحب ایم اے مفید مضامین ہین، ادب اور افسانے کا حصہ بھی خاصہ ہے، بعض مضامین

کی زبان البتہ کھٹکی، مثلاً "اجرا" کے بجائے "اجرائی" "ہنگی" کی جگہ "ننگائی" ایک فقرہ ہے "زبان کے مشکل سے آسان کی طرف رفتاری کا ناقابل تردید رجحان" یہ فقرہ یون زیادہ صاف اور سلیس طریقہ سے ادا ہوسکتا ہے، "مشکل زبان سے آسان زبان کی جانب شدید رجحان" "رفتاری" کا لفظ غلط بھی ہے، اور بے کار بھی، ان خفیف مسامحات سے اس رسالہ کی خوبی پر اثر نہین پڑتا،

ادیب مرتبہ سید محمد ارتضیٰ صاحب واحدی و فصیح الدین احمد صاحب ایم اے، تقطیع تقریباً اخباری، ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت سالانہ سے ر فی پرچہ ۱ر، پتہ:- چاندنی محل، دہلی،

دلی کے پرانے اڈیٹر واحدی صاحب نے یہ رسالہ نکالا ہے، جو ظاہری اور معنوی دونون حیثیتون سے ان کے اسکول کے پرانے رسالون سے بالکل مختلف ہے، ظاہری صورت بھی دیدہ زیب ہے اور ادبی حیثیت بھی بلند ہے، مضامین زیادہ تر ادبی ہوتے ہین لیکن ستھرے اور مفید، ایک آدھ علمی اور سنجیدہ مضمون بھی نظر آجاتا ہے، پنڈت دتاتریہ کیفی کا مضمون "ہمارے رسالے" اور "مرکزیت و صوبیت" بھی خواہان اردو اور نومشق اڈیٹرون کے غور و تامل کے لائق ہے، خواجہ محمد شفیع دہلوی کے قلم سے کلام درد کی شرح کا سلسلہ مفید ہے، "دو سو برس پہلے کی دلی کے اہل کمال" خواجہ حسن نظامی دلچسپ ہے، "ہماری زندگی مین شاعری کی اہمیت" اور "ہمان نہ مان مین تیرا مہمان" اس لحاظ سے خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہین، کہ اول الذکر مضمون مسٹر ایچ جی ایونیر ڈپٹی کمشنر دلی کا ہے، اور دوسرا شاہزادہ احمد علی خان افغانی کا، دونون نے اردو مین لکھا ہے، مسٹر ایونیز کی اردو نہ صرف صاف اور سلیس بلکہ ادیبانہ ہی، اور احمد خان کے مضمون مین اہل زبان کی زبان کا لطف ہے، ہر نمبر مین مختلف ادبی مضمون اور دلچسپ افسانے اور ڈرامے ہین، ادبی لحاظ سے ادیب بڑی حد تک اسم بامسمی ہے،

ندائے حرم مرتبہ جناب مولوی ضیاء الدین احمد صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۴۰ صفحے،

کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت سالانہ ہے رفی پرچہ ۴ ر پتہ :- ندائے حرم قرولباغ نئی دہلی،

ہندوستان کے علماء کا مشہور مدرسہ صولتیہ (مکہ معظمہ) ارض حرم مین ستر سال سے دینی علوم کی خدمت انجام دیر ہا ہے، ندائے حرم اس کا ہندوستانی ترجمان ہے، وہ مدرسہ کی تبلیغ کی خدمت کیساتھ مفید علمی، مذہبی اور تاریخی مضامین بھی پیش کرتا ہے، "عہد نبوی مین پانچوان کالم" "چودھوین صدی مین خطا کونی" اور "اسلام کا نظام دعوت واصلاح" اچھے مضامین ہین، بصائر وحکم کے تحت مین اڈیٹر کے قلم سے مفید نوٹ ہوتے ہین، اس رسالہ کی خریداری ہم خرما وہم ثواب ہے،

نوید مشرق مرتبہ سوہن لال صاحب ساحر وجناب درد نکودری، تقطیع بڑی، ضخامت ۲۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت اوسط، قیمت سالانہ صہ رفی پرچہ ۲ ر پتہ :- نوید مشرق پرجیت گنج کپورتھلہ،

یہ رسالہ حال ہی مین کپورتھلہ سے نکلا ہے، اس کی قابلِ ذکر خصوصیت یہ ہے، کہ ایک خوش مذاق ہندو ادیب نے اردو زبان کی خدمت کے لئے نکالا ہے، او ادبی حیثیت سے آجکل کے عام رسالون سے بُرا نہیں ہے، مختلف ذوق کے مفید مضامین ہوتے ہین، شاہ حبش "سہیل سلاسی" سوہن لال صاحب اور شاہزادہ محمد اکبر "کہ ترجاندپوری اچھے مضمون ہین، افسانون کا حصہ بھی غنیمت ہے، امید ہے کہ اس کے ذریعہ کپورتھلہ کے اصحاب ذوق مین اردو کا مذاق پیدا ہوگا،

ہمالہ مرتبہ جناب سید حسنین صاحب جامعی وعبد العلیم صاحب آسی، تقطیع بڑی، ضخامت ۴۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت سالانہ للعہ رفی پرچہ :- ۲ ر دفتر ہمالہ لہریا سرائے دربھنگہ،

دربھنگہ (صوبہ بہار) مین اردو کے اخبارات ورسالون کا چرچا کم ہے لیکن اب اس کا مذاق پیدا ہو چلا ہے، ہمالہ اسی کا نتیجہ ہے، ادبی لحاظ سے ابھی اس کا معیار عام رسالون سے

کسی قدر کم ہے، مضامین مین زیادہ تر افسانے ہیں کہین کہین زبان کی غلطیان بھی نظر آئین "ہندستانی زبان کا رسم الخط" نسبتہً اچھا مضمون ہے، البتہ نظمون کا حصہ بہتر ہے، گو ابھی یہ رسالہ ابتدائی منزل مین ہے، لیکن دربھنگہ کی ادبی فضار کو دیکھتے ہوئے غنیمت ہے، امید ہے کہ رفتہ رفتہ یہ معمولی خامیان دور ہو جائینگی، اور اس کے ذریعہ دربھنگہ کے نوجوانون مین اردو ادب کا مذاق پیدا ہوگا،

تعلیم وتربیت، مرتبہ جناب ڈاکٹر عبد الوحید صاحب پی، ایچ ڈی، تقطیع بڑی، ضخامت ۳۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت سالانہ عار فی پرچہ ۳ ر پتہ :- فیروز سنتسنز ۱۱۹ سرکلر روڈ لاہور،

چھوٹے بچون کا یہ رسالہ حال ہی مین نکلا ہے، جدید اصول کے مطابق مضامین مین بچون کی علمی وعملی تعلیم، اخلاقی تربیت، عام مفید معلومات اور ذوق وتفریح ہر پہلو کا لحاظ ہے، اور بچون کی تعلیم وتفریح دونون اعتبار سے ان کیلئے مفید اور دلچسپ ہے،

"م"

تابعین

علم وعمل اور مذہب واخلاق میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور صحابۂ کرام کے بعد ان ہی کی زندگی مسلمانون کے لئے نمونۂ عمل ہے، اسلئے سیر الصحابہ کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے اس مقدس گروہ کے حالات کا یہ تازہ مرقع مرتب کیا ہے، اس میں حضرت عمرؓ بن عبد العزیز، حضرت حسنؓ بصری، حضرت اویسؓ قرنی، حضرت امام زین العابدینؓ، حضرت امام باقرؓ، حضرت امام جعفر صادقؓ، حضرت محمد بن حنفیہؓ، حضرت سعید بن مسیبؒ، حضرت سعید بن جبیرؓ، حضرت محمد بنؓ سیرین، حضرت ابن شہابؓ زہری، امام ربیعہؓ رائی، امام مکحول شامیؓ، قاضی شریحؓ وغیرہ چھیانوے اکابر تابعینؓ کے سوانح، انکے علمی، مذہبی، اخلاقی اور عملی مجاہدات اور کارنامون کی تفصیل ہے،

مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، ضخامت ۵۶۰ صفحے، قیمت للعہ

مینیجر

مطبوعات جدیدہ

پاکستان اور ہندوستان مرتبہ جناب سید عبدالقدوس صاحب ہاشمی ندوی،
تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۳۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عار، پتہ:-
دارالاشاعت سیاسیہ شاہراہ عثمانی حیدر آباد دکن،

پاکستان کی تجویز کی موافقت اور مخالفت مین بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، یہ کتاب اسکی تائید وحمایت مین ہے، اس مین اس خیال کے مسلمانون کے نقطۂ نظر سے پاکستان کی تجویز کے مذہبی و سیاسی اسباب ودلائل، اس کے تاریخی اور جغرافی شواہد، اس کے موید مسلمانون ہندوؤن اور انگریزون کے بیانات، اسکے مختلف نقشے اور تجویزین، اعتراضات اور مشکلات کا جواب، ہر پہلو کے متعلق معلومات اور دلائل جمع کر دیئے گئے ہین، جو لوگ پاکستان کی تجویز کو سمجھنا چاہتے ہین، ان کے لئے اس مین کافی مواد ہے، ضمناً مسلمانون کے مذہب، کلچر اور قومیت وغیرہ کے مباحث بھی آگئے ہین، گو یہ تجویز مسلمانون کی متفقہ آواز نہین ہے، اور بہت سے ارباب فکر مسلمان اس کو نہ صرف ناممکن العمل بلکہ مسلمانون کی شاندار روایات، انکی خود اعتمادی، اور اسلام کی فاتحانہ اسپرٹ کے خلاف سمجھتے ہین، لیکن اب یہ مسئلہ اس حد تک پہنچ چکا ہے، کہ اسے نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس کے حل کے بغیر ہندوستان کی سیاسی گتھی نہین سلجھ سکتی، اس لئے موافقین اور مخالفین دونون کے لئے لائق غور ہے، درحقیقت یہ مسئلہ تنگ دل اور تنگ نظر ہندوؤن کا پیدا کردہ ہے انہی نے اسکو بڑھنے اور پھیلنے کا موقع دیا، اب بھی وہ مسلمانون کا اعتماد حاصل کرکے اسے ختم کر سکتے ہین

پاکستان کا تخیل خواہ کیسا ہی ہو، لیکن موجودہ فضا مین نہ صرف ہندوستان بلکہ اس کے ہر شہر اور ہر گاؤن مین ایک ایک پاکستان بنتا جاتا ہے، جس کا تدارک صرف ہندوؤن کے ہاتھ مین ہی،

محاسن سجاد، مرتبہ مولٰنا مسعود عالم صاحب ندوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۰ صفحے
کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت:- ۸ر علاوہ محصول ڈاک، پتہ:- الہلال
بک ایجنسی باکی پور پٹنہ،

مولانا ابو المحاسن محمد سجاد مرحوم نائب امیر شریعت بہار کی ذات تعارف سے مستغنی ہے، ان کی شخصیت علم وفضل، زہد وورع، فہم وتدبیر، معاملہ فہمی ودور اندیشی، اخلاص وللہیت قوت عمل و دینی حمیت، قومی درد ایثار وقربانی کے لحاظ سے طبقہ علما مین ممتاز تھی، اور ان کی ایمانی فراست کا سکہ نہ صرف علما، بلکہ موجودہ زمانہ کے سیاسین تک پر بیٹھا ہوا تھا، انکی زندگی کا بڑا حصہ دین وملت کی بے لوث خدمت مین گذرا، ان کی ذات ملک وملت کے خدمتگذارون کے لئے نمونہ تھی، مولانا مسعود عالم ندوی نے ان کی یادگار مین ان کے احباب اور جاننے والون کے قلم سے ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤن پر مضامین لکھا کر محاسن سجاد کے نام سے انھین شائع کیا ہے، اس مین ان کی سیرت، ذاتی حالات، علمی وتعلیمی زندگی، مذہبی وسیاسی خدمات پر تیرہ مضمون ہین جس سے مرحوم کی مجاہدانہ زندگی اور ان کے کارنامون کا ہر رخ سامنے آجاتا ہے، اس مرقع مین جناب راغب احسن صاحب کا مضمون کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے، اس کا نہ ہونا بہتر تھا، مرحوم کا یہ تذکرہ دین وملت کے خدمت گذارون کے لئے سبق کی حیثیت رکھتا ہے،

مقدمہ تاریخ دکن، مؤلفہ جناب عبدالمجید صاحب صدیقی استاد تاریخ،
جامعہ عثمانیہ ضخامت ۱۴۴ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲ر پتہ:
سب رس کتاب گھر خیریت آباد حیدرآباد دکن،

اس مقدمہ مین دکن کے ان تمام فرمانروا خانوادون کی تاریخ کا اجمالی نقشہ ہے، جنھون نے تاریخ کے معلوم زمانہ سے لیکر اس وقت تک سرزمین دکن پر حکومت کی، مقدمہ کے شروع مین دکن کی تاریخ پر مختصر تبصرہ ہے، اس کے بعد مختلف دورون کے خانوادون کا حال ہے، پہلے حصہ مین ان ہندو خانوادوں کا ذکر ہے، جنھون نے قدیم زمانہ سے لیکر مسلمانوں کے آنے تک حکومت کی، دوسرے حصہ مین درمیانی دور کے مسلمان اور ہندو خانوادون کا حال ہے، تیسرے حصہ مین خاندان پیشوا، خاندان آصفیہ اور میسور کے حالات ہین، چوتھے حصہ میں ارکاٹ اور کرنول وغیرہ کی نوابیون کا تذکرہ ہے، ہر خاندان کے شروع مین اسکی مختصر تاریخ، اور اس کے فرمانرواؤں کا پورا شجرہ ہے، جہانتک ہوسکا ہے، ان کے سنین بھی دیدے گئے ہین، یہ مقدمہ درحقیقت اس مفصل تاریخ کا خاکہ ہے جس کی تالیف مولف کے پیش نظر ہے، موجودہ صورت مین بھی یہ مقدمہ دکن کی تاریخ کے مطالعہ مین رہنمائی کا کام دیسکتا ہے،

بیان غالب مرتبہ جناب آغا محمد باقر صاحب ایم اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۶۴۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ۸ر غیر مجلد عار پتہ شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور،

کلام غالب کی گوناگون خصوصیات کیساتھ اسکی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی متعدد شرحین لکھی جا چکی ہین، اور اب تک اس کا سلسلہ جاری ہے، جناب مرتب نے اس کتاب مین اختصار کے ساتھ ان تمام شرحوں کو جمع کر دیا ہے، خود مولف کے الفاظ میں اس کتاب کا مقصد اور اسکی خصوصیت یہ ہے:- اس کتاب کی تالیف سے میرا مطلب صرف اس قدر ہے کہ دیوان غالب کی شرح پڑھنے والون کو اگر بالتفصیل نہیں تو مجملًا اس قدر ضرور معلوم ہو جائے کہ مختلف شارحین نے غالب کے ہر شعر کو کس نقطۂ نظر سے دیکھا ہے اور اس کے مفہوم میں کیا کیا موشگافیان

کی ہین، چنانچہ جن اشعار پر شارحین نے اختلاف کیا ہے، مین نے کوشش کی ہے کہ مختصراً ان کے نقطۂ نظر کو پیش کر دیا جائے، تاکہ پڑھنے والا آسانی سے سمجھ جائے، کہ اس شعر کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے طوالت کے خوف سے مین نے اختصار کو مدنظر رکھا ہے، لیکن پھر بھی یہ خیال سامنے رہا ہے، کہ کوئی ضروری بات نظرانداز نہ ہونے پائے۔ اس بیان سے ظاہر ہے کہ مؤلف نے اس مین خود کوئی اضافہ نہیں کیا ہو تاہم اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس کے بعد غالب کی اور تمام شرحون کی احتیاج باقی نہیں رہتی، اور نفس شرح کی حد تک اس مین وہ تمام ضروری باتین موجود ہین جن کیلئے مختلف شرحوں کی ورق گردانی پڑتی ہو،

کمپنی کی حکومت، مؤلفہ جناب باری تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۸۴ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عار پتہ:- مکتبہ اردو لاہور

اس کتاب کا پہلا اڈیشن آج سے کئی سال پہلے شائع ہوا تھا، معارف مین اس پر ریویو بھی ہو چکا ہے، اب نظرثانی اور مفید اضافون کے بعد دوسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، اس مین ایسٹ انڈیا کمپنی کے وحشیانہ دور حکومت کی پوری تاریخ ہی کہ اس نے کن کن پر فریب اور ظالمانہ طریقون سے ہندوستان پر قبضہ کرکے اس کی صنعت وحرفت اور تجارت کو برباد کیا اور اسکی دولت و ثروت چھین کر اسے مفلس و محتاج بنایا، یہ کتاب درحقیقت ایسٹ انڈیا کمپنی کی وحشت و بربریت اور اس کے ہاتھون ہندوستان کی تباہی کی تاریخ ہے، انگریزی مین اس دور کی بہت سی تاریخین ہین، ان مین باسو کی تاریخ "ہندوستان مین نصرانی اقتدار کا عروج" بہت مستند اور مشہور ہے، یہ کتاب زیادہ تر اسی سے ماخوذ ہے، گو انگریزی کتابون کے مقابلہ مین یہ کتاب بہت مختصر ہے لیکن اردو مین اتنے معلومات بھی نہین ملین گے، اس اعتبار سے یہ کتاب بہت غنیمت ہے، اور ہمارے نوجوانون کے پڑھنے کے لائق ہے،

سوگوارِ شباب ازجناب مجنون گورکھپوری تقطیع بڑی ضخامت ۱۳۶ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت غیر مجلد ۱۲؍ مجلد ۱؍ پتہ ایوانِ اشاعت گورکھپور،

جناب مجنون گورکھپوری کا یہ افسانہ رسالہ ایوان مین مسلسل نکل چکا ہے، اب انھون نے اُسے کتابی شکل دیدی ہی، مصنف ٹامس ہارڈی سے بہت متاثر ہین، اسلئے اسکی رومانیت اور قنوطیت ان کے افسانون کی خصوصیت بن گئی ہی، یہ افسانہ بھی ہارڈی کے ایک ناول (Two on A Tower) کے مطالعہ کے اثر کا نتیجہ اور رومانیت اور قنوطیت کے لطیف امتزاج کا دلکش المیہ نمونہ ہی، اس مین مصنف کی فسانہ نگاری کی تمام خصوصیات نمایان ہین، افسانہ کا پلاٹ بھی بہتر ہی، اور مصنف کے قلم کی رنگ آمیزی نے اس کو اور زیادہ دلکش اور مؤثر بنا دیا ہی، حسن کی رعنائیون، عشق کی شورش دپاکیزگی، فطری جذبات کے مد و جزر، نسوانی کردار کی بلندی، اس کے ایثار و قربانی، حرمان و نامرادی واردات محبت کی تمام وجدانی کیفیتون کو نہایت موثر پیرایہ مین بیان کیا گیا ہے، مصنف نے مشتاق اور سائرہ دونون کی سیرتون مین توازن قائم رکھنے کی کوشش کی ہی لیکن مشتاق کے مقابلہ مین سائرہ کا اخلاقی پایہ علانیہ بلند نظر آتا ہے، یہ افسانہ پلاٹ کی خوبی اور ادبی حیثیت دونون لحاظ سے پڑھنے کے لائق ہے،

آسان اردو، شائع کردہ انجمن ترقی اردو حیدرآباد دکن تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۵۸ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۸؍ پتہ انجمن ترقی اردو جوبلی ہل بنجارا روڈ حیدرآباد دکن،

بالغون کی تعلیم کے سلسلہ مین جو کتابیں لکھی گئی ہین ان مین عموماً بچون کے ذوق کے قصّے اور کہانیان ہین جن سے تعلیمی مقصد تو حاصل ہوجاتا ہی، لیکن معلومات مین کوئی اضافہ نہیں ہوتا، اس پہلو کو پیش نظر رکھکر یہ رسالہ لکھا گیا ہی، چنانچہ اس مین مختلف زمانون کے آٹھ بڑے اور تاریخی اشخاص کے حالات، چند اصلاحی افسانے اور دورِ جدید کی بعض اہم ایجادات کا مختصر حال، اور آخر مین چند مفید نظمین ہین، زبان سادہ اور آسان ہی، بچون اور بالغون دونون کے لئے یہ رسالہ مفید ہے،

"م"

جلد ۴۸ ماہ شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۱ء عدد ۳

مضامین